نایاب جیلانی

چوتھی قسط

اس کے پیروں میں چکی کے پاٹ بندھ گئے تھے اور ایک ایک قدم اٹھانا محال ہو چکا تھا۔

ماہ رو نے گردن موڑ کر نہیں دیکھا تھا پھر بھی وہ جانتی تھی کہ اس کی نام نہاد سہیلیاں بہت فرصت میں اس کی ذات کے بخیے ادھیڑ رہی تھیں۔ ایک ایک الجھے دھاگے کو زبردستی کھینچ کھینچ کر اسے تکلیف دے رہی تھیں۔

"اس کے پاس حسن اور دولت کا ہتھیار تھا سو فریحہ بے چاری نے شکست کو تسلیم کرنا ہی تھی۔۔۔ جانے اس کے دل پہ کیا گزری ہو گی؟" ہما نے افسردگی سے کہا۔

"پھر اتنی بڑی بدنامی کے بعد محبت حاصل کرنا، مرجانے کے برابر ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عزت اور بے عزتی ان لوگوں کے لیے برابر ہے۔" ثمیرا تلخی سے بولی تھی۔

"دیکھا نہیں، مہارانی کو ذرا بھی شرمندگی نہیں۔۔۔ جیسے بڑی عزت آبرو اور شان کے ساتھ اس گھر میں لائی گئی ہے۔ میرے شوہر بتا رہے تھے۔ بڑی مجبوری کے عالم میں رحمان چچا کو اس عذاب کی وجہ سے لانا پڑا۔ ورنہ ان کی بدنامی تو دور دور تک ہو چکی تھی۔ لوگوں کے منہ بند کرنے کے لیے نکاح پڑھوایا تھا۔۔۔ ورنہ تو۔۔۔" اگلی بکواس اس نے نسبتاً" ہلکی آواز میں کی تھی پھر بھی ماہ رو کے کانوں میں گرم سیال کرتا چلا گیا تھا۔ اگر پہلی سی صورت حال ہوتی تو ماہ رو پلٹ کر ان سب کا منہ توڑ دیتی۔ لیکن اس وقت وہ ضبط اور برداشت کرنے پہ مجبور تھی۔ پھر وہ سب اٹھ کر فریحہ کے تکون کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ اسے بھی مزید سلگانے، جلتی پہ تیل ڈالنے۔۔۔ کیونکہ اس دنیا کا یہی وطیرہ تھا۔

اور اگر فریحہ عقل مند ہوتی تو ان کی باتوں میں نہ آتی۔۔۔ اگر پہلے سے حالات ہوتے فریحہ تب بھی کسی کی بات میں نہ آتی۔ لیکن اس وقت وہ چوٹ کھائی ہوئی تھی۔ سو فریحہ کی عقل، سوچ اور فہم تو کب کی ختم ہو چکی تھی۔ سمجھنے کی ہر ہر صلاحیت مفلوج تھی۔ وہ بس وہی سنتی اور سمجھتی تھی جو لوگ اسے بتانا یا سمجھانا چاہتے تھے۔ اس لیے ایک نئی فریحہ جنم لے رہی تھی۔

ماہ رو ان سب کی بکواس کو بھاڑ میں جھونک کر سر جھٹکتی ہوئی اپنے روم میں آ گئی تھی، جہاں ماہم پہلے سے موجود تھی اس کنڈیشن میں کہ ماہ رو کو ایک اور مرحلے سے گزرنا پڑا تھا۔ وہ کب سے تنہائی کی منتظر تھی۔ ماہ رو کو اکیلا آتا دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے اٹھ کر دروازہ بھی لاک کر دیا تھا۔ ماہ رو گہرا سانس کھینچ کر سمجھ گئی تھی۔ اس کی تمام تر اداکاری کو ماہم نے جان لیا تھا۔

کچھ دیر اس کا تفصیلی اپنی آنکھوں سے ایکسرے

کرنے کے بعد ماہم نے قریب آتے ہوئے کہا۔
"تم نے مجھے اپنا رونمائی کا گفٹ بھی نہیں دکھایا! وہ کوئی ایسی چھپا دینے والی چیز نہیں تھی جسے تم چھپا کر بیٹھی ہو۔" اس نے اپنا لہجہ حتی المقدور نرم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ ماہ رو گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔ وہ ساری دنیا کے سامنے خود پہ ملمع چڑھا کر ایکٹ کر سکتی تھی لیکن ماہم کے سامنے جھوٹی بشاشت کا رول پلے کرنا بہت کٹھن تھا۔ وہ بھی اس صورت میں جب ماہم بہت ساری چیزوں کو سمجھ رہی تھی۔ ماہ رو نے اعصاب

مکمل ناول

ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔ پھر اس نے ڈریسنگ سے لوشن اٹھا کر چہرے پہ لگانا شروع کیا۔ کچھ دیر بعد ٹشو کی مدد سے کنسیلر کی تہ اتار کر اس کے بالمقابل آکھڑی ہوئی۔

"یہ میرے چہرے پہ خوب صورت پرنٹ اور ڈیزائن رونمائی کا خوب صورت گفٹ نہیں تو اور کیا ہے۔ ذرا غور فرما کر دیکھو اب دکھائی دیا نا۔" اس کے لہجے میں واضح کھنک اور بشاشت تھی یوں کہ ماہم کو شدید دھچکا لگا تھا۔ اس کی آنکھیں دور تک پھیلتی چلی گئیں۔۔۔ حیرانی، صدمہ، دکھ اور دھچکے کی ہر کیفیت ماہم کے چہرے پہ رقم تھی۔

"واٹ ربش کیا مذاق ہے ماہ رو!" وہ جھڑک کر بولی تھی۔ ماہ رو سابقہ انداز میں مسکراتی رہی۔۔۔ ماہم کے چہرے پہ پھیلے ہراس کو دیکھتی رہی۔۔۔ وہ جو ابھی تک

شاک کے عالم میں دنگ کھڑی تھی۔

"مذاق نہیں حقیقت ہے۔" ماہ رو نے لاپروائی سے بتایا۔ جیسے اپنے پھول سے رخساروں کو داغ دار کروا کر بڑی مطمئن اور سرشار تھی۔ گویا کوئی میڈل یا اعزاز ملا ہو۔

اس ماہ رو کو کبھی کسی نے پھولوں کی چھڑی سے ٹچ نہیں کیا تھا کجا کہ اتنی بے دردی سے پیٹنا۔ وہ بھی شادی کی پہلی رات' اپنے دولہا کے ہاتھوں؟ ماہم کا دماغ جیسے بند ہونے لگا تھا۔

"عون نے یہ سب کیوں کیا؟ آخر کیوں؟ میں اسے پوچھتی ہوں۔ مزا چکھاتی ہوں۔" بہت دیر بعد سنبھل کر ماہم بھڑک اٹھی تھی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا۔ اس مہذب وحشی کو تہس نہس کر دے۔

"ہرگز نہیں۔ تم کچھ نہیں کہو گی۔ نہ ڈیڈی کو بتاؤ گی۔ سمجھ لو' وہ حق بجانب تھا۔" ماہ رو نے انتہائی سرعت سے کہتے ہوئے زبردستی ماہم سے وعدہ لیا تھا۔

وہ شدید جھلاہٹ میں پھٹ پڑی۔

"تو کیا' اس وحشی کے ہاتھوں پٹتی رہو گی؟ اس کا دماغ ٹھکانے لگاؤ۔ اسے روکو' اس کے بڑھے ہاتھ کو کنٹرول کرنا تھا۔ آخر اس کی اتنی جرات کیسے ہوئی۔ اس نے تمہیں ہاتھ کیسے لگایا؟"

"میں تو خود اس تمام اپ سیٹ سچویشن پہ ابھی تک ورطہ حیرت میں ہوں۔ ایکچوئیلی! (دراصل) ہوا کچھ اس طرح سے تھا۔" ماہ رو لگے ہی لہجے دھیرے دھیرے ساری تفصیلات سے ماہم کو آگاہ کرتی رہی تھی۔ وہ ساری باتیں' فریحہ کی شادی کا قصہ' عون کے والد کا اس کے ساتھ شدید قسم کا جھگڑا' ناراضی (جو ابھی تک برقرار تھی) نفرت' حقارت اور ہر قسم کی چھوٹی اور بڑی بات' جو اس نے یہاں آکر سنی تھی۔ جس سے ماہم اور ماہ رو دونوں ہی بے خبر تھیں۔ ماہم کا منہ حیرت سے ایک مرتبہ پھر کھل گیا تھا۔ یہاں تو انکشاف در انکشاف ہو رہے تھے۔ اور انکشاف بھی خاصے گھناؤنے تھے جو فلموں اور ڈراموں میں اتفاقات کے طور پر سامنے آتے تھے۔ مگر حقیقی زندگی میں ان کا تصور بھی نہ تھا۔ لیکن جو کچھ ماہ رو کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ کسی فلم سے کم نہیں تھا۔

ماہم ہکابکا سی تفصیلات سنتی ہونق بنی بیٹھی رہ گئی تھی۔ جو کچھ بھی ہوا تھا کسی ڈرامے سے کم نہیں تھا۔

اس سارے قصے میں اسے ماہ رو کا کہیں قصور نظر نہیں آرہا تھا۔ سوائے ان فون کالز یا ملاقاتوں کے جو اس نے زبردستی عون کے ساتھ کی تھیں۔ باقی ہر معاملے میں ماہ رو بے قصور تھی۔ ہاں' فقط محبت کرنا اور محبت کا اظہار کرنا اگر جرم سمجھا جاتا تھا تو وہ اتنے سے فعل کے لیے مجرم ضرور تھی۔

اور اب جو ماہ رو کی زندگی میں محبت کی تکمیل کے بعد ڈرامائی موڑ آیا تھا۔ اس کو کیسے نبھانا تھا اور عون کی بے اعتنائی پلس بے زاری' نفرت کے بعد وہ اپنے لیے کیا فیصلہ کرنا چاہتی تھی؟ وہ عون کے ساتھ کس طرح سے گزارہ کر سکتی تھی؟ وہ بھی اس صورت میں جب عون سرے سے اسے ناپسند کرتا تھا اور دھتکار چکا تھا۔

اگر عون کی محبت اس کے ساتھ ہوتی تب بھی وہ اس ماحول اور سیٹ اپ میں ایڈجسٹ کر سکتی تھی۔ لیکن اب کیسے یہاں رہ پائے گی؟ اس گھر کا ماحول' یہاں کے لوگ' بودوباش' ان کا لائف اسٹائل سب کچھ الگ اور مختلف تھا۔ ماہ رو ایک آزاد دنیا کی باسی تھی جبکہ یہ لوگ ایک حد تک خوشحال اور آزادی کے قائل تھے۔ ان کی روایات' اصول' قواعد زندگی گزارنے کے ڈھب مکمل طور پر اور تھے۔

پھر عون بھی اپنے گھر والوں کی طرح روشن خیال نہیں تھا۔ یہ لوگ ایک حد تک آؤٹ موڈڈ (دقیانوسی) خیالات کے مالک تھے۔ پھر ماہ رو یہاں کیسے رہ سکتی تھی؟ اسے تو ابھی کے ابھی کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے تھا۔ اور ماہم اس کے فیصلے کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی۔ اگر ماہ رو اتنی پرسکون ہے تو اس نے کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لیا ہو گا۔ اور وہی اس کا اٹل فیصلہ ہو گا۔ جس سے دنیا کی کوئی طاقت اسے ہٹا نہیں سکتی تھی۔

"کیا تم یہیں رہو گی؟ ایسے حالات میں بھی؟" ماہم

اس کی خاموشی پہ بے چین ہو کر بول پڑی تھی۔ ماہ رو نے بھنویں اچکا کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔

"آف کورس (یقیناً)"۔

"اور عون کا رویہ؟ اس کی بدتمیزیاں، وحشیانہ پن، حیوانیت؟" ماہم کے منہ میں کونلے کڑک گئے تھے۔ دل چاہ رہا تھا۔ عون کا نام تک نہ لے۔ اس کا ذکر تک نہ کرے۔ کچھ ایسا ہی تاؤ اسے عون پہ چڑھ رہا تھا۔

"کیا تم ایسے آدمی کے ساتھ رہ سکتی ہو؟"

"وائے ناٹ (کیوں نہیں؟)۔" ماہ رو سنجیدہ ہوتی چلی گئی تھی۔ "میں نے اس سے محبت کی ہے تب یہ دیکھ کر محبت نہیں کی تھی وہ مہذب ہو گا یا غیر مہذب؟ اکھڑ ہو گا یا نرم؟ محبت کرے گا یا نفرت، ہر چیز سے بالاتر ہو کر میں نے اس سے محبت کی تھی۔ اب اتنی سی بات پہ اسے چھوڑ سکتی ہوں؟ کبھی نہیں۔" اس کا انداز دو ٹوک قسم کا تھا۔

"لیکن وہ تمہیں نہیں چاہتا۔ اس کی فریحہ سے شادی طے تھی۔ کیا پتا، وہ فریحہ سے محبت کرتا ہو۔ تم ایسے حالات میں فریحہ کے ساتھ ایک گھر میں کیسے رہو گی؟ ابھی تک تو فریحہ صدمے میں ہے۔ معمولات زندگی سے الگ تھلگ ہے۔ لیکن چند ہفتوں بعد جب وہ سنبھل جائے گی تو منظر عام پہ بھی آئے گی۔ تب تمہیں فریحہ کی موجودگی میں سروائیو کرنا بہت مشکل ہو گا۔ ابھی تم ان نزاکتوں کو نہیں سمجھ رہی۔" ماہم ایک اچھے دوست کی طرح اسے سمجھا رہی تھی۔

"میں فریحہ کے سامنے کیوں گلٹ فیل کروں گی.... میں نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ جو بھی اس کے ساتھ کیا۔ اس کی تقدیر نے کیا۔ میرا کیا قصور ہے۔ گو کہ انسانیت کے ناطے میں اس کی تکلیف کو سمجھ سکتی ہوں۔ تاہم اس کی تکلیف کو کم کرنے کی اتھارٹی (اختیار) نہیں رکھتی۔" اس نے انتہائی گہرے لہجے میں اپنی بات مکمل کی تھی۔

"اور رہی عباس کی فریحہ کے ساتھ کسی سابقہ انیج منٹ (لگاؤ) کی بات تو مجھے اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"لیکن وہ تم سے محبت بھی نہیں کرتا۔" ماہم کی سوئی بس یہیں کہیں اٹک سی گئی تھی۔ وہ اس نادانی کو کیسے سمجھاتی! عون کے ساتھ اس کی زندگی انتہائی کٹھن تھی۔ ایک اس کا سرد، اکھڑ، برفیلا رویہ، دوسری بے اعتنائی اور تیسرا اس کے گھر کا گھٹا گھٹا ماحول (جو ماہم کے نزدیک حبس زدہ تھا) ماہ رو کس کس مقام پہ کمپرومائز کر سکتی تھی؟ اس ماحول پہ، لوگوں پہ، رویوں پہ.... یہاں تو پہلا "ایشو" (مسئلہ) اس کی ڈریسنگ پہ ہو سکتا تھا۔ ماہم سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ لوگ اسے من پسند کپڑے پہننے کی اجازت دے سکتے تھے۔

وہ کہاں کہاں اپنا من مار سکتی تھی؟

"ماہم! تمہیں کس طرح سے سمجھاؤں؟ ہم کسی کو اپنی مرضی سے چاہ تو سکتے ہیں۔ لیکن کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ نہیں کہہ سکتے۔ تم بھی مجھ سے محبت کرو۔" وہ جیسے تھک گئی تھی۔ زچ ہو گئی تھی۔ ماہم کو چپ ہونا پڑا۔ جیسے وہ سمجھ گئی تھی کہ ماہ رو کا کچھ بگاڑا نہیں جا سکتا۔ وہ ہر انتہا کو سوچ کر مطمئن تھی۔ اس کے اطمینان کو دیکھ کر ماہم نے گھٹی گھٹی سانس کو سینے کی قید سے باہر نکالا اور بولی۔

"تو گویا تم سب کچھ طے کر چکی ہو۔"

"آج سے نہیں.... اس دن سے جب مجھے عباس سے محبت ہوئی تھی۔" اس نے ایک جذب کے ساتھ کہا تھا۔ وہ عون کو ہمیشہ عباس ہی کہا کرتی تھی اس کے ارد گرد رہنے والے سب لوگ اسے عون کے نام سے بلاتے تھے۔ ایک واحد ماہ رو تھی جو اس کا سرنیم بلاتی۔ اسے عباس کہنا ہی اچھا لگتا تھا۔

"او کے، میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ خدا کرے کہ عباس تمہاری محبت کی قدر کر سکے۔ کیونکہ ایسی بے لوث اور دیوانگی کی حدوں کو چھوتی محبتیں ہر روز نہیں ملا کرتیں۔" ماہم نے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔ ماہ رو دھیمے انداز میں مسکرا دی تھی۔

"ایک چیز تو ہے ماہ رو!" اب وہ ماحول کی کثافت ختم کرنے کی غرض سے ہلکا پھلکا انداز اپنا رہی تھی۔

"تمہیں اس جلاد کے سامنے بہت ہمبل (متحمل مزاج) ہونا پڑے گا۔ خاصا مشکل سا الجبرے کا سوال ہے۔" وہ عون کے متعلق اپنی رائے دے رہی تھی کہ اسے سمجھنا اتنا آسان نہیں۔ بہت کٹھن سا گورکھ دھندا تھا۔

"میں اپنے اسٹیمنا (قوت برداشت) کو آخری حد تک آزما ڈالوں گی۔ ماہ رو سرفراز ہوں.... بزنس ٹائیکون کی بیٹی.... وہ حساب دان ہے تو جمع، ضرب تقسیم سے ہم بھی مبرا نہیں.... سیر اور سوا سیر کی خوب رہے گی۔" ماہ رو بھی اتنے بہت سے غبار زدہ کثیف ماحول میں ہنسی کی پھوار گراتے ہوئے پہلے سے کچھ اطمینان محسوس کر رہی تھی۔

"ویسے تمہاری عقل کے بھی کیا کہنا۔ بندہ محبت کرے تو سوچ سمجھ کے۔ ایسے ہارڈ "ٹن سول" (سخت دل) بندے سے محبت کر کے عمر بھر ڈپریشن میں رہنے سے بہتر ہے کنوارا ہی مرا جائے۔" ماہم اپنا پرس سنبھالتی کھڑی ہو گئی تھی۔ ماہ رو نے بھی تنقیدی نگاہ سے خود کو آئینے میں دیکھا۔ آخر فریش تو لگنا چاہیے تھا۔ کیونکہ شازمہ کی کلاس سے گزر کر اپنے روم میں جانا تھا۔

ماہم دیوار پہ لگی عون کی شاندار انلارج سائز فوٹو کو دیکھنے کے لیے رک گئی تھی۔

یہ یونی ورسٹی کے کنووکیشن کی فوٹو تھی۔ ڈگری لیتے ہوئے، گلے میں گولڈ میڈل پہنے، نیچے بلیک گاؤن اور خوب صورت کیپ.... وہ بہت خوب صورت، زندگی سے بھرپور اور عالی شان لگ رہا تھا۔ کالی آنکھوں سے مسکراتا ہوا۔ ہونٹوں پہ فتح مندی کی مسکراہٹ تھی۔ جیسے سب کچھ پا لیا ہو۔ ماہم نے دل ہی دل میں ماشاء اللہ کہا۔

"دکان دار کا بیٹا لگتا نہیں۔" اس کا تبصرہ بھی تیار تھا۔ دوٹوک اور حتمی.... ماہ رو بھی رک سی گئی۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر تصویر اتار لی تھی۔

"تم نہ سہی تمہاری فوٹو ہی سہی.... ایسے تو تم اپنا دیدار کرنے نہیں دیتے۔ چلو یونہی سہی۔" اس نے ماہم کو آنکھ دبا کر چھیڑا تھا۔ وہ اس کے شانے پہ دھموکا جڑ کر باہر نکل گئی تھی۔ ماہ رو نے بھی ساسوماں کے کرنکل کے دوپٹے سے خود کو آزاد کیا اور ماہم کے پیچھے نکل گئی تھی کیونکہ عون کی امی نے اسے گھر جانے کی اجازت دے دی تھی۔

☆ ☆ ☆

بیڈ روم میں فل میوزک بج رہا تھا۔

گلاس ونڈوز پہ پردے گرے تھے۔ روم کا ماحول نیم روشن تھا۔ جبکہ ماہ رو جب سے آئی تھی نیند میں دھت پڑی تھی۔ ماہم اسے دس مرتبہ زبردستی اٹھا کر گئی تھی۔ جیسے ہی وہ نظر سے اوجھل ہوتی، ماہ رو دوبارہ نیند کی وادیوں میں گم ہو جاتی.... یوں لگ رہا تھا۔ پورے سال کی نیند پوری کر کے ہی جائے گی۔

ویسے بھی ماہ رو کو میوزک کے بغیر نیند نہیں آتی تھی۔ فل والیوم میں میوزک بجتا اور ماہ رو دوسرے ہی لمحے میں نیند کے سفر پہ نکل جاتی۔

ڈیڈی سے مل کر چینج کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے وہ ایسی سوئی کہ پھر شام کی خبر لائی تھی۔ بالآخر ماہم نے ٹھنڈے برف پانی والا مشہور زمانہ حربہ آزمایا تو ماہ رو بی بی نے جھٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔ تاہم نیند کا گلابی پن ابھی تک آنکھوں کی جھیلوں میں موجزن تھا۔

"دی مارننگ بریز (نسیم سحر)...." اس نے لمبی سی جماہی کو بمشکل روکا تھا۔ شاید وہ سمجھ رہی تھی کہ نئی سویر طلوع ہو چکی ہے.... ماہم نے ناک بھوں چڑھا کر اس کو جتا کے بتایا تھا۔

"نسیم سحر نہیں.... نسیم شام ہو چکی ہے.... اب شہزادی معظمہ اٹھ جائیے۔ انکل چائے پہ انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے زبردستی ماہ رو کو گھسیٹ کر اٹھایا تھا۔

"اور یہ لباس فاخرہ بھی بدل لیجیے۔ اب آپ شادی شدہ خاتون ہیں.... کوئی پونی ٹیل لہراتی بچی نہیں۔ کسی بھی وقت آپ کے سسرال والے تشریف لے آئیں

گے۔" اس نے ماہ رو کی مہین نائٹی پہ گہری چوٹ کی تھی۔

"انہوں نے آپ کو اس شاہانہ ڈریس میں دیکھ لیا تو مارے حیا کے ایسے جائیں گے کہ دوبارہ آنا نصیب نہیں ہوگا۔" وہ نائٹی کی کھلی ڈوریوں کو گریبان اور اس کے لاپروا انداز پہ گھرک رہی تھی۔ گو کہ پہلی ایسی کوئی قدغن نہیں تھی۔ وہ جیسے مرضی اپنے گھر میں گھومتی یا باہر.... لیکن اب سچویشن (صورت حال) الگ تھی۔ کسی بھی وقت اس کے سسرالی عزیزوں میں سے کوئی لینے آسکتا تھا۔ اسے ان کے آنے تک مہذب ڈریسنگ میں دکھائی دینا چاہیے۔ سواسی لیے وہ جھڑک رہی تھی۔ لیکن ماہ رو پہ اثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تبھی ماہم دیوار کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اور کچھ حیا کے ناخن لو.... اب تو عون صاحب بھی تمہیں گھور رہے ہیں۔" ماہم نے عون کی چوری شدہ فوٹو کی سمت اشارہ کیا تھا جسے ماہ رو سسرال سے آتے ہوئے اپنی ہینڈ کیری میں چھپا کر لے آئی تھی۔ عون کے نام پر وہ اسپرنگ کی طرح اچھلی۔

"کہاں ہے عون عباس!" ماہ رو نے گھبرا کر پورے روم پہ طائرانہ نگاہ ڈالی تھی۔ اس کی نظریں پھر ماہم کے تعاقب میں دیوار پہ جم گئی تھیں۔ وہ ایک مرتبہ پھر بیڈ پہ اوندھے منہ ڈھے گئی تھی۔

"مائی گاڈ! تم نے تو ڈرا دیا۔"

"ابھی سے یہ حشر ہے۔" ماہم نے دوبارہ طنز اچھالا۔

"وہ تمہارا شوہر ہے کوئی جن نہیں۔"

"شوہر نام کی مخلوق کسی جنات سے کم بھی نہیں۔" ماہ رو نے فلسفہ جھاڑا تھا۔ یعنی ایک ہی رات کے بعد فلاسفر!

"جیسے تمہیں تو بڑے شوہروں کے تجربے ہیں۔" ماہم نے پھر سے طنز کیا۔ وہ ٹھنڈی سی آہ بھر کے رہ گئی تھی۔

"بس ایک ہی تجربہ کافی ہے۔"

"یعنی ابھی سے ہی....؟" ماہم کی آنکھیں پھیلی تھیں۔ تب ماہ رو کو سنبھلنا پڑا تھا۔ اس نے گھور کر ماہم کو جواب دیا۔

"جب تمہارا شوہر ہوگا تو پوچھوں گی۔"

"میں تو بھر آئی جب تم جیسی حسین لڑکی سہاگ رات میں تھپڑوں کی رونمائی لے سکتی ہے تو ہمارے جیسے عام چہروں کی کیا حالت ہوگی؟" ماہم نے جیسے جھرجھری لے کر خود کو عام ثابت کرنے میں ایڑھی چوٹی کو زور لگایا تھا۔

"نصیب چہرے اور شکلیں دیکھ کر نہیں بنائے جاتے۔ خدا نہ کرے تم میری جیسی سچویشن سے گزرو۔" ماہ رو نے بڑے جذب سے کہا تھا۔ اس کے چہرے پہ ایک اذیت سی چھا گئی تھی۔ گزشتہ بہت سے منظر آنکھوں میں کرچیاں بھرنے لگے تھے۔ اس نے آنکھوں کو رگڑ کر ماہم سے نظر چرائی۔

"میں تو کہتی ہوں۔ تم عون کو مزہ چکھاتیں۔" ماہ رو کی شگفتگی نے اسے پھر سے عون پہ تاؤ چڑھا دیا تھا۔

"کیسے؟" وہ بھونچکی ہوئی۔

"اس سے ناراض ہو کر۔" اپنے تئیں ماہم نے بڑا باکمال پاورفل مشورہ دیا تھا۔ ماہ رو اپنا سر پکڑ کے رہ گئی تھی۔

"مطلب میں اس کے گھر نہ جاؤں۔"

"ہاں۔" اس نے ٹھونک بجا کر کہا۔

"اگر وہ مجھے منانے ہی نہ آیا تو؟" ماہ رو نے دوسرے پہلو کا احساس دلایا تھا ماہم کا منہ سوجھ گیا۔

"تم نیگیٹو ہی سوچنا.... یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ وہ کچے دھاگے سے بندھا بھاگا بھاگا چلا آئے۔" اس نے چڑتے ہوئے اسے ایک دھپ لگائی تھی۔

"نہ اس کے پاس کچے دھاگے ہیں۔ نہ وہ خود اتنا کچا پکا ہے۔ جتنا میں نے اسے چند گھنٹوں میں جانا.... وہ..." ماہ رو کے اگلے الفاظ منہ میں ہی دبے رہ گئے تھے۔ کیونکہ ماہم نے بیچ میں ہی اسے ٹوک دیا تھا۔

"وہ انتہائی وحشی ہے، ضدی ہے، غیر مہذب ہے۔" ماہم نے ناک چڑھا کر اس کی ساری خوبیوں کو گنوا دیا تھا۔ اب ماہ رو اسے ساری داستان سنا دینے پہ

سخت پچھتا رہی تھی۔ کیونکہ ماہم نے اچھا بھلا عون کے خلاف محاذ کھول لیا تھا۔ اب یہ ماہ رو کی ہی ذمہ داری تھی وہ کس طرح سے اپنی دوست کے ذہن سے عون کے متعلق جالوں کو ہٹاتی۔ اس کی بدگمانی دور کرتی۔ اور اس کا دل صاف کرتی۔

کچھ سوچ کر ماہ رو نے پینترا بدل لیا تھا۔ اب وہ عون کی جھوٹی تعریفوں کے پل باندھنے کی کوشش میں تھی۔ گو کہ ماہم ایسی نہیں تھی جو ماہ رو کی ذاتی زندگی کو جگہ جگہ موضوع بحث لاتی۔ نہ حالات زندگی کے متعلق لوگوں کو بتا کر گوسپ کے لطف دوبالا کرتی۔ وہ اس کی مخلص اور اچھی دوست تھی۔ اور ماہ رو کی محبت میں ہی عون کے خلاف ہو چکی تھی۔

جو کچھ عون اور فریحہ کے ساتھ ہوا تھا۔ یا ان دونوں کے خاندانوں کے ساتھ ہوا تھا وہ اپر کلاس کی ان دو لڑکیوں کے لیے ایک معمولی سی غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

ان دو خاندانوں کی زندگی میں بھونچال آگیا تھا۔ رشتے' ناطے اور رویے بدل گئے تھے۔ دلوں میں دوریاں آگئی تھیں اور یہ لوگ سمجھتی تھیں کہ ذرا سی غلط فہمی ہی تو ہے جسے دور بھی کیا جا سکتا تھا۔

"ایکچوئیلی ماہم! عباس بہت نائس ہے۔ بہت کول ہے۔ یو نو (تم جانتی ہو) وہ مجھ سے پیار بھی بہت کرتا تھا۔ تمہیں بتایا تو ہے اس کے ذہن میں کچھ ابہام تھے۔ جیسے ہی سب کچھ معمول پہ آیا۔ دیکھنا' عباس بھی پہلے سا لوونگ اینڈ کیئرنگ (محبت اور خیال کرنے والا) ہو جائے گا۔" ماہ رو نے مڈل کلاس اچھی بیویوں کی طرح پہلی مرتبہ ایک خوب صورت ملمع سازی کے تحت سب اچھے کا سگنل دینا شروع کر دیا تھا۔ وہ ساری جھوٹی تعریفیں اسے ازبر کرنا تھیں جو مڈل وومینز (متوسط طبقے کی عورتیں) رات کو شوہروں سے کٹ لگوا کر صبح پڑوسنوں' دیورانیوں' ساسوں وغیرہ کو ہنس ہنس کر بتاتیں۔

"میرے فلاں تو بہت اچھے ہیں۔۔۔۔ ہر مہینے شاپنگ کے لیے دس دس ہزار دیتے ہیں۔ گھمانے پھرانے کے وعدے الگ۔" چھوں کے نیل چھپا کر دانت نکالنا کتنا مشکل ترین کام ہوگا۔ وہ تو آسکر ڈیزرو کرتی تھیں (حق دار تھیں) بے چاریاں۔۔۔ ماہ رو کو اپنا آپ بھی انہی مڈل وومینز کی کیٹگری میں محسوس ہو رہا تھا۔ اور ادھر ماہم بھی کچھ کچھ اس کے جھوٹ پہ مطمئن ہو رہی تھی۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔۔۔ اور تم ہمیشہ ہنستی مسکراتی' ہنگامہ پرور رہو۔" ماہم نے سچے دل سے دعا دی تھی۔ ماہ رو نے دل ہی دل میں آمین کہا۔ اور اسی لباس فاخرہ کے ساتھ سیڑھیاں اترتی لاؤنج میں آگئی تھی جہاں ڈیڈی شدت سے اس کے منتظر تھے۔

☆ ☆ ☆

"می لارڈ!" ماہ رو نے ڈیڈی کی کھلی بانہوں میں سماتے ہوئے دلکشی سے جھک کر کورنش بجا لایا تھا۔ ڈیڈی اسے پیار کرتے ماتھا چومتے مسکرا کر ویلکم کہہ رہے تھے۔ گو کہ وہ چند ہی گھنٹوں بعد دوبارہ آگئی تھی پھر بھی یوں لگ رہا تھا جیسے سالوں بعد ماہ رو کی صورت دکھائی دی ہے۔

جس طرح اچانک بہت تکلیف دہ حالات کا سامنا کرتے ہوئے اچانک نکاح کرنا پڑا تھا۔ وہ سب سیٹھ سرفراز کے لیے اتنا سہل نہیں تھا۔ لیکن اس وقت حالات کچھ ایسے تھے کہ مزید تاخیر کرنا خسارے کے مترادف تھا۔ انہوں نے شازمہ کے سمجھانے بجھانے' قائل کرنے پہ ذہنی طور پر اس چویشن کو قبول کر لیا تھا۔

کیونکہ شازمہ نے انہیں واشگاف لفظوں میں بتا دیا تھا کہ ماہ رو کے ہوسپٹلائز ہونے کا پس منظر کیا ہے؟ اور وہ اپنے انجان پن پہ سخت پر ملال بھی تھے اگر ماہ رو عام حالات میں بھی اپنی پسند سے آگاہ کر دیتی تب بھی وہ کوئی آؤٹ موڈڈ باپ ہرگز نہیں تھے۔ جو بیٹی کی خوشی کے رستوں میں رکاوٹ بن جاتے۔

ماہ رو ایک اچھی' من پسند خوش حال زندگی گزارے۔ یہی تو ان کی خواہش تھی۔

گو کہ رحمان صاحب کے اور ان کے اسٹیٹس میں بہت فرق تھا لیکن سرفراز احمد نے کبھی بھی اسٹیٹس کو ایشو بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

انہیں ماہ رو کی پسند دل و جان سے پسند آچکی تھی ... داماد خوب صورت بھی تھا۔ ایجوکیٹڈ (تعلیم یافتہ) بھی۔ خاندانی بھی... اور خاصے خوش حال لوگ بھی تھے۔ نہ بھی ہوتے تب بھی سیٹھ سرفراز اپنے داماد کو ضرور سپورٹ کرتے۔ اس وقت بھی وہ ماہ رو سے چھوٹی چھوٹی ہر بات پوچھ کر مطمئن ہونے کے بعد اچانک عون کے مستقبل پر بات کرنے لگے تھے۔

"ماہی! عون کے نیکسٹ (آئندہ) کیا ارادے ہیں ؟ کیا وہ اپنا خاندانی کام ہی کرتا رہے گا؟" ماہ رو جو چائے سے لطف اندوز ہوتی آسمان پہ تیرتے بادلوں کو دیکھ رہی تھی لمحہ بھر کے لیے چونک گئی۔

"سوری ڈیڈی! آپ نے کیا کہا؟" وہ سن کر بھی ایسے انجان ہوئی کہ ڈیڈی کو اپنی بات دہرانا پڑی تھی۔

"میں عون کے فیوچر کی بات کر رہا ہوں... بہت لائق لڑکا ہے۔ فیوچر بہت برائٹ (روشن) ہوگا۔ اگر وہ اپنے باپ کی دکان داری سے نکل آئے۔"

"آئی ڈونٹ نو (مجھے نہیں معلوم) ڈیڈی! میری اس سے ایسے کسی ٹاپک (موضوع) پہ بات نہیں ہوئی۔" ماہ رو کو یہی مناسب جواب سوجھا تھا۔ ڈیڈی لمحہ بھر کے لیے سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ ان کے ماتھے پہ ہلکی سی سوچ کی پرچھائی تھی۔

"تم عون سے ڈسکس (بات) کرو۔ وہ ہماری کمپنی میں کام کرے ... میں اس کے شیئرز بھی دیکھ سکتا ہوں۔" کافی دیر بعد وہ بڑی ملائمت سے بولے تھے۔ یقینی طور پر وہ اپنی بیٹی کے فیوچر کو تابناک کرنا چاہتے تھے۔ بیٹی کا فیوچر اپنے شوہر کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ عون جلد از جلد ان کے بزنس میں آجائے۔

"آئی تھنک (میرے خیال میں) ڈیڈی! وہ نہیں مانے گا۔" ماہ رو نے ڈیڈی کو آسرے میں رکھنے کے بجائے صاف صاف بتا دیا تھا۔ کیونکہ جس خوددار فیملی سے اس کا تعلق تھا اور جتنا وہ ناک والا تھا۔ کبھی سسر کی بیساکھیوں کا سہارا نہ لیتا۔ سو اس نے دوٹوک ڈیڈی کو بتا دیا تھا تاکہ وہ امیدیں قائم نہ رکھیں۔

"میری کون سی بہت اولاد ہے۔ ایک سنی اور ایک تم، میرے بعد بھی تو تم لوگوں کو بزنس میں آنا ہوگا۔ تو ابھی میری موجودگی میں سیکھو تاکہ بعد میں تم لوگوں کو پریشانی نہ ہو۔" ڈیڈی نے سنجیدگی سے ماہ رو کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا، تب اس نے حامی تو بھر لی تھی لیکن جذباتی انداز میں خفگی سے بولی۔

"آپ ہمیشہ جئیں ڈیڈی! آپ کے بغیر ہم کچھ نہیں ہیں اور سنی۔" ماہ رو کی بے ساختہ آنکھیں بھر آئی تھیں۔ آج کل وہ ویسے بھی خاصی زود رنج ہو رہی تھی۔ بات بہ بات رونا آجاتا تھا۔ آنسو گر پڑتے تھے۔ جنہیں وہ بڑی مہارت سے صاف کر لیتی تھی۔ چھپا لیتی تھی۔ جیسے اس وقت چھپا لیے تھے۔ ماہ رو کو عون کی محبت نے کیا کچھ نہیں سکھا دیا تھا۔

"میری جان۔" ڈیڈی نے اسے پیار کیا اور کسی ضروری کال پہ اٹھ کر چلے گئے تھے۔ تب وہ اور شازمہ اکیلی رہ گئی تھیں۔ ماہ رو جو اپنی سوچوں میں گم تھی شازمہ کے بلانے پہ کچھ چونک گئی۔

"سویٹ ہارٹ! یو لک پریٹی ان پنک نائٹی (تم اس گلابی نائٹی میں بہت خوب صورت لگ رہی ہو)... وہاں اپنی سسرال میں جاکر کم از کم اپنی ڈریسنگ پہ کمپرومائز (سمجھوتہ) نہ کرنا... ان کے رنگ میں خود کو رنگنے کی بجائے کوشش کرنا کہ اپنے رنگ نہ اتر جائیں... تم بہت خوب صورت ہو۔ اپنی خوب صورتی کو شوہر سے کیش کراؤ۔ اسے اداؤں میں جکڑو۔ اسے کسی اور سمت مت جانے دو... اب دیکھو، اسے تمہارے ساتھ آنا چاہیے تھا مگر نہیں آیا کیا تم نے فورس (مجبور) نہیں کیا؟" شازمہ کچھ دیر پہلے سے لے کر اب تک اسے آبزرو کر رہی تھی۔ اسے ماہ رو پہلے کی طرح شوخ یا چنچل نہیں لگی تھی۔ شاید وہ بھی تھکن کا شکار تھی۔ ماہ رو نے شازمہ کی تمام باتیں سن لی تھیں۔ لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔

"تمہیں کچھ ٹائم لگے گا۔ پھر تم ایڈجسٹ کر جاؤ گی
..... میں تمہاری نیچر کو جانتی ہوں۔ تم تبدیلی کو جلدی
ایکسیپٹ (قبول) کر لیتی ہو۔" شازمہ نے ملائمت
سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ تب ماہ رو حیران
رہ گئی تھی۔ کیا شازمہ کی آبزرویشن ٹھیک تھی؟ اس
نے کب ماہ رو کو فرصت میں جانچنے کی کوشش کی تھی؟
اور واقعی ہی شازمہ نے ٹھیک اندازہ لگایا تھا۔

ماہ رو تمام تر نخرے، بے نیازی اور نخوت کے باوجود
تبدیلی کو جلدی قبول کر لیتی تھی۔ اور ہر بری یا ڈینجرس
سچویشن کو وقتی طور پر نہ سہی تاہم کچھ ہی دیر بعد ذہنی
طور پر قبول کر لیتی تھی۔ شاید اسی لیے بھی اس نے
عون کے برے رویے کو بھی زیادہ دل پہ نہیں لیا تھا۔ وہ
ذہنی طور پر خاصی مضبوط تھی۔ اور برے سے برے
حالات میں بھی گھبراتی نہیں تھی۔ کچھ ہی دیر میں وقتی
طور پر حواس باختگی کے بعد سچویشن کنٹرول میں کر لیتی
تھی۔

"مجھے اندازہ تھا وہ اچھے خاندانی لوگ ہیں۔ تمہیں
کسی بھی گزری بات سے ٹارچر نہیں کریں گے۔
تھینک گاڈ (شکر اللہ کا) میرا اندازہ غلط نہیں ہوا.... وہ
لوگ اچھے ہیں بٹ (لیکن) تم اتنی ست اور پریشان
کیوں دکھائی دے رہی ہو؟" شازمہ نے خاصے تفکر کا
مظاہرہ کیا تھا۔ اب ماہم کے بعد شازمہ کی ایکسرے
مشین جیسی نظروں کا سامنا کرنا تھا۔ اف.....

"ایسے ہی ممی! ٹھیک تو ہوں۔" اس نے زبردستی
خود کو بشاش کیا تھا۔ شازمہ مطمئن ہوئی یا نہیں تاہم
چپ ضرور کر گئی تھی یا شاید کچھ سوچ رہی تھی۔ کافی
دیر بعد اس نے کچھ کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

"ماہی! ان سب کا بی ہیویئر (رویہ) تو اچھا ہے نا؟"
اس کے انداز میں کھوج کے ساتھ ہلکی سی پریشانی بھی
تھی۔ جانے کیوں؟ ماہ رو اس پریشانی کو کچھ سمجھی نہیں
تھی۔ اور کم از کم ماہ رو کے لیے اس کی پریشانی کی وجہ
سمجھ میں آ بھی نہیں سکتی تھی۔

"سب اچھے ہیں۔" ماہ رو نے مختصر سی تسلی کروا دی
تھی۔ تب شازمہ کے چہرے سے تفکر کی وہ ہلکی لہر
غائب سی ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پہ بشاشت آ گئی۔

"ویری گڈ (یہ اچھا ہے)۔" اس نے مسکراہٹ کو
خوب لمبا سا کھینچا تھا۔ پھر قدرے مطمئن کرنے والے
انداز میں بولی۔

"ویل .... تمہاری اس ان ایکسپیکٹڈ میرج
(غیر متوقع شادی) نے مجھے تو مینٹلی ڈسٹرب (ذہنی
پریشانی میں) رکھا۔ تھینک گاڈ، سب کچھ اچھا رہا۔"
شازمہ کے تشکر کی وجہ ماہ رو کو سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ
خوش بھی ہوتی تھی تو اپنے ہی انداز میں۔ شکریہ بھی ادا
کرتی تو اپنے ہی ڈھنگ سے خاصا مزے دار مزاج
رکھتی تھی۔ ماہ رو کو خواہ مخواہ ہنسی آ گئی۔

"دیکھ لو میری گڈ انٹینشن (اچھی نیت) تمہارے
کام آ گئی۔" اب وہ اپنی نیک نیتی پہ سارا کریڈٹ لینا
چاہتی تھی۔ یعنی کرنا ورنا کچھ بھی نہیں۔ بس سارا
اعزاز خود سمیٹ لینا ہے۔ ماہ رو اس کی خوش فہمی پہ
بمشکل مسکراہٹ چھپا سکی۔

"اور کسی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ گڈ مینجمنٹ سے
ہیونگ آ گڈ اینڈ کا ٹائٹل ملتا ہے۔" شازمہ کا تفخر
قابل دید تھا۔ جانے اب کون سی ایسی نیک تدبیر کر چکی
تھی جس کا بہترین نیک انجام اسے غرور کرنے پہ مجبور
کر رہا تھا۔ اور وہ سینہ پھلا پھلا کر خوش ہو رہی تھی۔

"اور یہ عون بھی خاصا پراؤڈ (مغرور) لگتا ہے۔
دیکھو ذرا، ایک کال بھی نہیں کی۔" شازمہ کو اچانک
خیال آ گیا تھا۔ ماہ رو بھی چونک گئی۔ اب تو باہر رات ہو
رہی تھی۔ پورے بنگلے کی لائٹس آن تھیں۔ ٹائم بھی
بہت گزر چکا تھا۔ اس نے بے ارادہ ہی ٹائم پیس کی
طرف دیکھا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں ایک دوسرے کے
پیچھے بھاگ رہی تھیں۔ وہ فطری طور پہ متفکر ہوئی۔

"ماہم تو کہہ رہی تھی۔ وہ لوگ لینے کے لیے آئیں
گے۔" اس نے متفکر انداز میں پوچھا اور یہ ماہم بھی
جانے کہاں تھی؟ ابھی تک نیچے نہیں آئی تھی۔ ماہ رو
کے دل کو جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔ کیونکہ گھڑی تو بجا
رہی تھی۔ رحمان منزل سے ابھی تک کوئی نہیں آیا
تھا۔ وہ بے قرار سی ہو گئی۔ ان کے نہ پہنچنے کا مطلب کیا

تھا۔

"عون کی مدر نے کال کی تو تھی۔ اور یہ بھی کہا تھا عون کو بھیجیں گی۔ اس لیے کہ میں بھی ریلیکس تھی کہ عون آجائے۔ اکٹھے ڈنر کریں گے۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا۔ کیا میں کال بیک کروں؟" شازمہ بولتے ہوئے کارڈلیس اٹھانے لگی تھی جب ماہ رو نے سرعت سے اسے روک دیا تھا۔

"اگر عون کی امی نے کہا تھا تو پھر عون ضرور آجائے گا۔ وہ اپنی ماں سے بہت باؤنڈ ریلیٹڈ ہے۔" ماہ رو کا دل اچانک مطمئن ہو گیا تھا۔ جو کچھ دیر پہلے والی بے قراری تھی۔ اس کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ شازمہ نے اس کی گفتگو کے آخری حصے کو اچک لیا۔

"اور تمہارے لیے بھی کائنڈ اینڈ پولائٹ (مہربان اور نرم) ہے؟" اس کا انداز اب بھی کچھ متفکر تھا۔

"آف کورس۔" ماہ رو نے جیسے جان چھڑوائی تھی۔ ورنہ شازمہ تو کسی بھی طور مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔ مخصوص سگی اماؤں والے سوال کر رہی تھی۔ جو اسے بالکل سوٹ نہیں کرتے تھے۔ ابھی شازمہ اس بات پہ بھی کوئی کمنٹ دیتی لیکن حواس باختہ سی ماہم کو دیکھ کر چپ ہو گئی تھی اور ادھر ماہم اسے اسی لباس فاخرہ میں دیکھ کر پھٹ پڑی تھی۔

"وہ تمہارا راحت جاں ڈرائنگ روم میں پہنچ چکا ہے اور تم الو گاؤدی۔۔۔ ابھی تک سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھی ہو۔ جبکہ راحت جاں صاحب تیز گام پہ سوار ہیں۔ ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں رک رہا۔ ہزار منت کی ہے لیکن ایک ہی جواب۔ اس کے پاس وقت نہیں۔" ماہم نے اس کی خوب کھینچائی کرتے ہوئے باہر دھکیلا تھا۔

"اور تم کہاں مری ہوئی تھیں؟" ماہ رو کو بھی ماہم پہ غصہ کرنے کا خیال آگیا تھا۔

"میں مہارانی جی کے لیے کچھ ڈھنگ کی معقول شاپنگ کرنے گئی تھی۔ وہاں پہننے کے لیے کچھ ڈریسز اور اسٹول وغیرہ لائی ہوں۔" ماہم نے اسے گھرک کر بتایا۔

"اب ٹائم ویسٹ (ضائع) نہ کرو۔" وہ اسے اوپر بھیجنا چاہتی تھی جب کریم حواس باختہ بھاگا بھاگا اندر آیا تھا۔

"وہ صاحب تو جا رہے ہیں۔ کہتے ہیں، جس نے آنا ہو خود آجائے۔ میں نہیں رک سکتا۔ صاحب کا موڈ بھی آف تھا۔" کریم نے ان سب کے اور بھی حواس اڑا دیے تھے۔ اب اوپر چینج کرنے کے لیے جانے کا بھی ٹائم نہیں تھا۔ ماہم نے اس کا سامان تو پہلے ہی گاڑی میں رکھوا دیا تھا۔ اب اسے دھکا دے کر باہر کی طرف دھکیل رہی تھی۔

"مرو ایسے ہی جاؤ اور بے عزتی کرواؤ۔ وہ چلا گیا تو آئے گا نہیں دوبارہ۔ اب بھی لگ رہا تھا۔ اماں نے کنپٹی پہ پستول رکھ کے بھیجا تھا۔ وہ بھی اس کے نہیں اپنے۔۔۔" ماہم پیچھے شعلہ فشانی کر رہی تھی۔ ماہ رو ننگے پیر ڈرائیو وے پہ بھاگنے لگی۔ پیچھے شازمہ کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ اسے الگ ڈنر کا رونا پڑا تھا۔ اتنا اہتمام کیا اور عون ایسے ہی چلا گیا۔۔۔ ماہ رو نے بھاگتے بھاگتے دھمکی! ماہم کو کھلا دیں۔ یہ تین بندوں کا اضافی کھانا کھا سکتی ہے۔" کہا اور گیٹ سے باہر نکل گئی۔ جبکہ باقی لوگ کریم سمیت وہیں جم کر رہ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

گیٹ سے باہر ہی وائٹ کرولا کھڑی تھی۔ بلکہ کھڑی کہاں تھی اسٹارٹ تھی اور جانے ہی والی تھی۔ ماہ رو نے موقع اور وقت گنوائے بغیر سرپٹ دوڑ لگا دی تھی۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ بیک ہوتی کرولا کا فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔ بالکل اچانک اور زبردستی۔

عون کو اس افتاد کی توقع نہیں تھی۔ وہ اسے طوفان کی طرح آتا اور گاڑی میں گھستا دیکھ کر پہلے تو اچنبھے کا شکار ہوا تھا پھر اسے فرنٹ سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر لمبے لمبے سانس لیتا دیکھ کر چونک گیا۔

اس کا چہرہ بھاگ دوڑ کی وجہ سے بلا کا سرخ تھا۔ بال بکھر کر منہ اور گردن سے چپک رہے تھے۔ کچھ گلے اور پشت پہ بے ترتیب جھول رہے تھے۔

سب سے بڑی بات اس کا حلیہ انتہائی معیوب قسم کا تھا۔

مہین سی نائٹی جس کی ساری ڈوریاں کھلی اور بے ترتیب تھیں۔ آستینیں سرے سے ندارد تھیں۔ پیروں میں ہلکی سی چپل پہنے وہ کسی بھی طور رحمان منزل لے جانے کے قابل نہیں تھی۔ اس وقت بڑے ہال میں سارے موجود تھے۔ ابو' امی' اس کے سارے بھائی' بڑے اور چھوٹے بھابیاں' بہن چاچا' چاچی....

اور یہ اس انتہائی بے ہودہ شب خوابی کے لباس میں ساس سسر' جوان جیٹھ' دیوروں کے سامنے جائے گی؟ مائی فٹ' واٹ ربش اسے تو شرم ہی نہیں تھی۔ چھو کے بھی نہیں گزری تھی۔

عون کا دل چاہ رہا تھا ایک اور طمانچہ رکھ کے ماہ رو کی بوتھی پہ مارے۔ بڑی مشکل سے اپنے ابلتے طیش کو دبا کر وہ فرنٹ ڈور کھولتا ہوا نیچے اترا تھا پھر دوسری طرف گھوم کر آیا۔ دروازہ کھولا اور دھیمی آواز میں غراتا ہوا بولا۔

"جاؤ' اور جا کے معقول حلیے میں واپس آؤ۔" اس نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اٹھتے ہاتھ کو روک لیا تھا۔ وہ اس کے گھر میں کوئی تماشا نہیں لگانا چاہتا تھا۔ ایک مرتبہ پہلے وہ ایسا مظاہرہ کر چکا تھا جس کا خمیازہ ابھی تک بھگتنا پڑ رہا تھا۔

اسے وہ وقت بھی یاد آگیا۔ جو بھولا ہی نہیں تھا.... محض تین دن پہلے.... وہ اسی گھر میں ماہ رو کو طمانچہ مار کے گیا تھا۔ اپنے تئیں اس طمانچے میں اسے ہمیشہ کے لیے دھتکار کے گیا تھا۔ لیکن اسے یہ خبر نہیں تھی۔ اس طمانچے کی گونج کے اثر میں ماہ رو ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی کا وبال بن جائے گی۔ وہ اگر جان جاتا کہ اس گھر میں آنا کیسی قیامت لائے گا۔ تو وہ کبھی بھول کر بھی نہ آتا۔ اس رستے کی طرف بھی نہ دیکھتا۔ لیکن ہونی کو بھلا کون روک سکتا ہے۔ ماہ رو کے جانے اور واپس آنے میں سات منٹ خاموشی سے کھسک گئے تھے۔

اب کہ وہ کچھ معقول دکھائی دے رہی تھی۔ بلیک شرٹ' بلیک تنگ سے ٹائٹس' بلیک ہیل اور گلے میں بھی کچھ رسی نما دوپٹے کی خانہ پری کے لیے لٹکا رکھا تھا۔

وہ ایک اچٹتی نگاہ میں جائزہ لے کر کچھ مطمئن ہوا تھا۔ ماہ رو بھی اس کے تاثرات بھانپ گئی تھی۔ یعنی عون کے غصے کا گراف کچھ کم ہوا تھا۔ وہ پرسکون سی ہو گئی تھی۔

وائٹ کرولا کا اندرونی ماحول کچھ کثیف سا تھا۔ سکوت اور نرالا سکوت۔ ماہ رو بھی ونڈو سے باہر کے مناظر دیکھتی رہی تھی۔ گو کہ ان میں کچھ کشش تو نہیں تھی پھر ٹائم تو پاس کرنا ہی تھا۔ وہ بھی لب بھینچے اپنے دھیان میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ماہ رو بھی لامتناہی سوچوں میں گم تھی۔

"جانے گھر والوں کے رویے کیسے ہوں گے؟ اور فریحہ؟"

وہ بے چین سی پہلو بدل کر پھر سے باہر جھانکنے لگی۔

معاً سگنل پہ گاڑی رکی تھی۔ "صاحب! گجرے لو نا.... بی بی کے لیے لو نا.... دیکھو اصلی موتیا اور گلاب ہیں۔ دیکھو' باجی کا دل بھی ہے۔" بچے کی دہائیاں عروج پہ تھیں۔ نجانے وہ باجی کے دل تک کیسے پہنچ گیا تھا۔ کیونکہ واقعی ہی باجی کا دل للچا رہا تھا۔

"صاحب!" اس نے وھپ وھپ شیشہ بجایا.... "دیکھو' باجی کا دل...." معاً صاحب کو غصہ آگیا۔ اس نے گاڑی کا شیشہ کھسکا کر نیچے کیا تھا۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر سو روپے نکالے تھے اور وہ سو روپے بچے کی جیب میں گھسا دیے۔

"چل شاباش جا اب.... اور دوبارہ باجی کے دل تک مت جانا۔ وڈا ہارٹ اسپیشلسٹ تے ویکھو۔" عون نے شیشہ چڑھایا اور گاڑی آگے بڑھا گیا۔ جبکہ وہ بچہ چیختا ہوا پیچھے بھاگا تھا۔

"ارے صاحب! باجی کے پھول تو لیے نہیں۔" وہ چلاتا ہوا بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ادھر بچے کی باجی کے چہرے پہ افسردگی چھا گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی آگئی تھی۔

کیا تھا اگر دل رکھنے کے لیے ہی ایک پھولوں کا گجرا لے لیتا۔ وہ زیادہ دیر اپنے جذبات پہ قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ اس نے گجرا نہ ملنے کی جلن باہر نکال لی تھی۔

"وہ پھول کیا کاٹ رہے تھے؟ جو پیسے پکڑا کر بھی لیے نہیں۔" ماہ رو نے بڑی یاسیت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ ایسی حسرت لہجے میں کرلا رہی تھی جس کا کوئی انت نہیں تھا۔

"وہ بچہ بھی جان گیا تھا کہ میرا دل پھولوں کے لیے مچل رہا ہے۔" ماہ رو نے بھاری آواز میں جتا دیا۔ عون اس کی آواز کے بھاری پن پہ ذرا چونک کر سیدھا ہوا۔ پھر اس نے سر کو خفیف سا جھٹکا دیا تھا۔

"پھر دل....؟" اس نے گہرے کلٹ دار لب و لہجے میں غرا کر کہا۔ "اس دل کی میرے سامنے بات مت کرو۔ بہت آوارہ مزاج، خود غرض دل ہے۔" وہ جیسے پھٹ پڑا تھا۔ ماہ رو کی آنکھیں شرقاً "غرباً" تک پھیل گئی تھیں۔

"کس کا دل؟" اس نے ہونق پن کی انتہا کر دی تھی۔ "کیا میرا آوارہ مزاج، خود غرض دل!" وہ بری طرح سے روہانسی ہو گئی تھی۔

"نہیں میرا۔" وہ خونخوار ہوا۔

"اچھا، پھر ٹھیک ہے۔" ماہ رو کو تسلی ہو گئی تھی۔ لیکن پھول نہ لینے کا غم تازہ بہ تازہ تھا۔ "پورا گجرا نہ لیتے ایک گلاب ہی لے لیتے۔" وائٹ کرولا جب رحمان منزل کی اونچی سہ منزلہ عمارت کے قریب رکی تب بھی اس نے اترتے ہوئے حسرت زدہ لہجے میں کہا تھا "نہ گھر میں کھانا کھانے دیا اور نہ پھول لینے دیے۔"

"اپنے کمرے کی کھڑکی ہاتھ بڑھا کر کھول کے دیکھنا .... وہاں چنبیلی اور موتیے کی ایک نہیں ایک ہزار کلیاں مل جائیں گی۔ میرا میٹر گھمایا تو کسی نرسری میں پھینک آؤں گا۔ رات بھر پھول سونگھتی اور توڑتی رہنا.... اور رہی کھانے کی بات تو باورچی خانے میں ہر چیز میسر ہے جو دل چاہے کھانا اور پکانا۔ کیونکہ میں نے اپنا کچن الگ کر لیا ہے۔" عون نے کرولا سے اترتے ہوئے ایسا زور دار دھماکا کیا تھا کہ ماہ رو گجرے، پھول، کلیوں کے

سارے غم بھول کر جیسے چلا اٹھی تھی۔

"واٹ؟"

☆ ☆ ☆

یہ انکشاف خاصا بھیانک اور دھچکا پہنچا دینے والا تھا۔

عون نے کل رات کوئی مذاق نہیں کیا تھا۔ حقیقی معنی میں اسے ڈیڈی کے گھر سے واپس لے کر آنے سے چار گھنٹے پہلے عون نے اپنے گھر والوں اور خصوصاً" ابو سے جھگڑا کر کے اپنا کچن الگ کروا لیا تھا۔

محض شادی کے دوسرے ہی روز۔ جو لوگ عون کے تیور اور باپ بیٹے کے جھگڑے کو جانتے نہیں تھے۔ وہ تو انگلیاں منہ میں دبا کر ماہ رو کو برا بھلا کہنے لگے۔

"دیکھا نا.... آتے ہی الگ کروا لیا۔ یہ امیر زادی کبھی بھائیوں کو اکٹھا نہیں رہنے دے گی۔ آج کچن الگ ہوا ہے کل کو دیکھنا آگے آگے ہوتا کیا ہے۔" غرض جتنے منہ تھے اتنی باتیں تھیں۔ ہر منہ میں ماہ رو کے لیے برے الفاظ تھے۔ وہ تو پہلے بھی کچھ لوگوں کی نگاہ میں بری تھی۔ اب مزید بری ہو چکی تھی۔ بلکہ عون کی جلد بازی نے ماہ رو کو سب کی نظر میں برا ثابت کر دیا تھا۔

اور یہ بھی ماہ رو کو بہت جلد پتا چل گیا تھا کہ کچن الگ کرنے میں عون کا کیا فائدہ نکلتا تھا؟ محض ماہ رو کو ستانے، تنگ کرنے، ذلیل کرنے اور انتقام لینے کے لیے اس نے پلاننگ بنائی تھی۔

اور صحیح معنوں میں اس کی انتقامی کارروائی کا آغاز اسی رات کو ہو گیا تھا۔ اس نے ماہ رو کے لیے سزا اور انتقام کے بڑے الگ منفرد اور جدا جدا طریقے سوچ رکھے تھے۔

کیونکہ اس نے پر تشدد انتقام کو ایک طرف رکھ کر دوسرا داؤ آزمایا تھا۔ وہ بھی اس لیے کہ ماہ رو عون کے ساتھ نباہ نہ کر سکے۔ وہ ناک تک اسے عاجز کرے گا، اسے ذلیل کرے گا۔ ستائے گا اور وہ خود حالات کی

سختیوں سے تنگ آکر عون کو چھوڑ دے گی۔ اس گھر سے چلی جائے گی۔ یا پھر اپنا گناہ تسلیم کرلے گی۔

یوں عون کی برات کا اعلان ہو گا۔ وہ اپنے ماں باپ کی نگاہ میں سرخرو ہو جائے گا۔ اپنے خاندان والوں کی نظر میں اعتبار پالے گا۔

اس رات عون نے ماہ رو کو کمرے بلا کر دو کھلے راستے اس کے سامنے رکھے تھے۔

"تمہارے لیے شاید یہ مذاق ہی ہو۔ تمہارے نزدیک شاید یہ کوئی بڑی بات نہ ہو۔ مگر میرے لیے یہ انتہائی شرمناک الزام ہے۔ اس الزام کی وجہ سے میری زندگی کا چین سکون داؤ پہ لگ گیا ہے۔ میرے خاندان والے مجھے دیکھ کر راستہ بدل لیتے ہیں۔ میں اچھوت سمجھا جانے لگا ہوں۔ ہر ایک مجھ پہ نفرین بھیج رہا ہے۔ مجھے ملامت کی جاتی ہے۔ اور پلازہ میں جو حصہ میرے کنٹرول میں تھا وہاں اچانک گاہکی تک ختم ہو چکی ہے۔ ٹرانسیکشن کے لیے وہاں کوئی آتا ہی نہیں۔ اس لیے کہ مجھ پر کئی طرح کے گھٹیا الزامات لگ چکے ہیں۔ لوگ مجھ سے سلام لینا اور کلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ میں تم سے دوٹوک بات کرتا ہوں۔ بہت لمبی چوڑی حکایت میں نہیں پڑتا۔ نہ اس گورکھ دھندے کو مزید الجھاتا ہوں۔ تمہارے سامنے چند راستے ہیں۔ بڑے صاف واضح اور کھلے۔ نمبر ایک تم کل کا سورج طلوع ہونے سے پہلے اس گھر کو چھوڑ دو۔ میں تمہیں آرام سے طلاق بھیج دوں گا۔ کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں ہو گی۔ کوئی سوال نہیں اٹھے گا۔ جس خاموشی سے نکاح ہوا تھا اسی خاموشی سے طلاق ہو جائے گی۔ نمبر دو، تم میرے باپ کے سامنے اقرار کرو۔ جیسا اقرار میرے سامنے کیا تھا۔ تم میرے باپ کو بتاؤ حقیقت کیا تھی، اور میں تمہارے پیچھے نہیں پڑا تھا۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا تھا۔ میں تمہارے گھر کسی بری نیت سے نہیں گیا تھا۔ میں نے تمہیں اغوا کرنا نہیں چاہا تھا۔ اگر تم ان کے سامنے اقرار کرو گی تو وہ یقینی طور پر اتنی جلدی تسلیم نہیں کریں گے۔ وہ مجھ پہ ہی الزام رکھیں گے کہ میں نے تم پر دباؤ ڈال کر یہ سب اگلوایا اور کروایا ہے۔ لیکن میرا گلٹ تو دور ہو سکتا ہے۔ گو کہ پورا نہیں مگر کچھ کچھ تو۔

دوسرے تم میرے باپ کو یہ بھی کہو گی۔ تم نے مجھے نکاح پہ مجبور کیا۔ تم نے فریحہ کی زندگی برباد کی۔ تم میرے پیچھے اندھا دھند پڑی تھی اور تم نے سارے الزامات اپنے سر لیتے ہیں، جو مجھ پر لگائے گئے تھے۔

اور تم میرے باپ کے سامنے خود اعلانیہ طور پر مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرو گی۔ مجھ پہ کسی بھی قسم کا الزام لگائے بغیر۔ تم کہو گی کہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ تم طلاق لینا چاہتی ہو۔ اور بغیر دباؤ کے طلاق کا مطالبہ کرتی ہو۔ میرے باپ کو یہ بھی یقین دلانا تمہارا کام ہے کہ میں نے تمہیں طلاق کے لیے مجبور نہیں کیا۔ اور تم اپنی مرضی سے اس گھر کو چھوڑ کے جانا چاہتی ہو۔

آخری آپشن سب سے زیادہ تکلیف دہ، اذیت ناک، کٹھن اور دشوار ہے۔

اگر تم پہلے سب آپشنز کو ریجیکٹ (مسترد) کرتی ہو تو پھر لازمی طور پر تمہیں میرے ساتھ زندگی گزارنا ہو گی اور میرے لیے تو کچھ نہیں۔ تمہارے لیے میرے ساتھ زندگی گزارنا موت سے بڑھ کر تکلیف دہ اور کرب انگیز ہو گا۔ میں تمہاری زندگی کو انتقاما" عذاب ناک بنا دوں گا۔ میں تمہیں ترسا ترسا کے ماروں گا۔ میں تمہیں قید تنہائی کی مار دوں گا۔ تم گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گی۔ میری سختیوں، اذیتوں اور تکلیفوں کو جو تمہارے عمل کے بدلے میں تمہیں دوں گا برداشت نہیں کر سکو گی۔ سہ نہیں پاؤ گی۔

میں اپنے تئیں ظلم کے ہر حربے کو آزماؤں گا جو کہ ظلم تو نہیں ہو گا ولے کا بدلہ ضرور ہو گا۔ اور سب سے بڑی خوف ناک، بھیانک اور کسی حد تک شرم ناک بات۔

میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ نہ ذہنی، نہ روحانی، نہ جسمانی۔ میں تمہیں ہمیشہ اس حق سے محروم رکھوں گا جو دراصل میری حقیقی بیوی کا جائز شرعی حق ہو گا۔ کیونکہ نہ تو میں زبردستی کے نکن

پوائنٹ پہ ہونے والے نکاح کو جائز نکاح مانتا ہوں۔ نہ زبردستی بنا دینے والی بیوی کو بیوی تسلیم کرتا ہوں۔۔۔۔ میں کل کروں یا ایک سال بعد شادی ضرور کرلوں گا طلاق تمہیں اسی وقت مل سکتی ہے جب تم خود اس کا مطالبہ کروگی کیونکہ میں اپنے باپ کی وجہ سے اس معاملے میں بے بس ہوں۔

تم ساری زندگی سہاگ رکھتے ہوئے بیوگی کی زندگی گزاروگی۔۔۔۔ اور یہ تمہاری اپنی چوائس ہوگی۔ ورنہ میں نے تمہارے سامنے سارے آپشن کھول کر بیان کردیے ہیں۔

اگر تم مندرجہ بالا آپشنز کو ریجیکٹ کرکے میرے ساتھ کالاپانی میں قیدیوں سی زندگی گزارنا چاہتی ہو تو بہت شوق اور خوشی کے ساتھ۔ کل صبح تک اپنے کاروبار سلطنت کو سنبھال لینا۔۔۔ اپنا کھانا تمہیں خود پکانا ہوگا۔ اپنا اور میرا بھی کپڑے دھونے' استری کرنے تمہارے ذمے۔ اپنے حصے کی صفائی بھی کروگی۔۔۔ اور ہر قسم کی گھریلو ذمہ داریاں اٹھاؤگی جو ایک عورت کی شادی کے بعد ذمہ داری میں شامل ہوتا ہے۔

اور آخری بات اپنے باپ کے گھر والی تمام عیاشیوں کو بھول جاؤ۔ میرے گھر میں میرے اسٹائل (انداز) سے رہوگی۔ میری انکم (تنخواہ) میں گزارا کروگی۔ اس سب کے باوجود اگر تمہیں پھر بھی مجھ سے محبت کرنا ہو تو بڑے شوق اور چاؤ کے ساتھ۔ امید کرتا ہوں جلد از جلد عشق کا بھوت اتر جائے گا۔" عون نے دھڑ دھڑ اس کے سر پہ ضربیں لگا کر ایک ایک دماغ کی چول کو کھول دیا تھا۔

اول تو وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ پھر اس کی ایک ایک بات کو سمجھتی اور تولتی رہی۔ وہ بہت سنجیدہ تھا اور قطعا" مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ ماہ رو سے مذاق کر بھی کیسے سکتا تھا؟ ان کے درمیان ایسا کوئی رشتہ جو نہیں تھا۔

اس نے عون کی ایک ایک بات کو سوچا تھا۔ ہر انداز سے پرکھا تھا۔ گو کہ وہ نہ بھی پرکھتی تب بھی ایک فیصلہ تو اس نے بہت پہلے کر ہی لیا تھا۔۔۔ جس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ کل بھی اپنے ارادے میں پکی تھی۔ وہ آج بھی اپنے ارادے میں پکی تھی۔

وہ کل بھی اپنے عشق میں سچی تھی۔۔۔ اور وہ آج بھی اپنے عشق میں سچی تھی۔ اسے دوبارہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کرنا تھی۔

عون اس کا ہوتا یا نہ ہوتا۔ عون اسے بیوی کا درجہ دیتا یا نہ دیتا۔ عون اس سے محبت کرتا یا نہ کرتا ماہ رو سرفراز کو عمر بھر عون عباس سے محبت کرنا تھی۔ کیونکہ ماہ رو سرفراز کو عون عباس سے عمر بھر کے لیے محبت ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

یوں ماہ رو سرفراز کی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہو گئی تھی۔ زندگی کا ایک نیا اور انوکھا باب کھل گیا تھا۔ جو زندگی اس نے طلب کی تھی۔ وہی اسے عنایت کی گئی تھی۔ اسے چاہ سے کچھ کم نہیں ملا تھا۔ بلکہ طلب سے کچھ زیادہ مل گیا تھا۔

اس نے عون عباس کی خواہش' تمنا اور اسے پانے کی چاہ کی تھی۔ اس نے کبھی بھی عون کی محبت طلب نہیں کی تھی۔ اس کی زیست بھر کی خوشی کے لیے عون کا ہو جانا کافی تھا۔ عون کی محبت پانا تو اس کی تمنا کبھی نہیں رہی تھی۔ اسے چاہنا ضروری تھا' بدلے میں چاہت کا ملنا ضروری نہیں تھا۔

اور وہ جانتی تھی کہ عون کا حصول جتنا آسان بنا دیا گیا تھا اس کو پورا حاصل کرنا نہایت مشکل ترین مرحلہ تھا۔ اس کے دل تک پہنچنا اور بھی تکلیف دہ' کٹھن ترین سفر سے اٹا رستہ تھا۔ اور اس نے اپنے دل کی خوشی کے ساتھ' ہر پہلو پہ غور کرنے کے بعد اس مشکل' کٹھن اور پرمشقت رستے کا چناؤ کیا تھا۔ یہ اس کا من پسند انتخاب تھا اور وہ اپنی ہر صلاحیت اور آخری حد تک برداشت کو آزما لینا چاہتی تھی۔

سو کاروبار سلطنت کو سنبھالنے کے لیے تازہ دم ہوتی سویر کو بمشکل خوش آمدید کہتے ہوئے جب اس نے آنکھ مسل مسل کر دھند کے پار دیکھنا چاہا تو ہر عکس

بڑا غبار آلود نظر آیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے جالے سے تھے جو ہٹ نہیں رہے تھے۔ بڑی کوشش کے بعد اس نے آنکھیں پوری کھول کر دیکھا تو عون اسے جھنجوڑ کر اٹھا رہا تھا۔

"ملکہ عالیہ! نسیم سحر پکار رہی ہے۔ اٹھ جائیے مجھے بھی تلاش معاش کے لیے خاک دھول ایک کرنا ہے۔" اس کا طنزیہ لب و لہجہ اور کٹیلے الفاظ سن کر ماہ رو کی نیند اڑنچھو ہو چکی تھی۔ وہ لمبی لمبی جمائیاں روکتی جلدی سے اٹھ گئی۔ بکھرے بال کیچو میں سمیٹ کر اس نے بھاں بھاں کرتے کمرے پہ طائرانہ نظر ڈالی تھی۔ وہاں عون کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔

"کہاں ہے نسیم سحر؟ اور کون خاتون ہیں یہ؟" اس نے ہونق پن کی انتہا کرتے ہوئے عون کو اچھا بھلا تپا دیا تھا۔ حالانکہ تپا تپایا تو وہ پہلے سے لگ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا باہر والوں سے پھر جھڑپ ہوئی ہے۔ اور وہ یقیناً "تازہ تازہ لڑائی کے بعد اندر آیا تھا۔

"تمہاری سوکن ہے۔" اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا تھا۔ ماہ رو کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

"تو وہ راتوں رات آ بھی گئی؟" ماہ رو کی جیسے جان نکل گئی تھی۔ عون جو مرضی کرتا رہے۔ جسے مرضی پسند کرے۔ چاہے یہ دعوا باتوں کی حد تک آسان تھا۔ عملی طور پر اگر ایسی کوئی پچویشن ہوتی تو ماہ رو کا کیا بنتا؟ شاید ہارٹ اٹیک ہو جاتا اور ہارٹ اٹیک تو اسے اب بھی ہونے لگا تھا۔ نسیم سحر کا نام سن کر جیسے جان نکلنے لگی تھی۔

"کہاں ہے وہ؟" اس نے دل پہ پتھر رکھ کر بمشکل پوچھا۔

"باہر..." عون نے غضب ناک انداز میں جواب دیا تھا۔ پھر پاؤں پٹختا باہر نکل گیا۔ ماہ رو کچھ دیر کے لیے ہونق ہوئی تھی۔ پھر وہ عون کی بات کا مفہوم سمجھ کر خود کو ملامت کرنے لگی۔ بعد میں اسے اپنی بے وقوفی پر ہنسی آ گئی تھی۔

"یہ عون بھی نا... بہت شوق ہے اسے مجھ پہ سوکن لانے کا۔" وہ بیڈ سے اتر کر واش روم کی طرف چلی گئی تھی پھر جب فریش ہو کر باہر آئی تب تک عون بھی اندر آ چکا تھا۔

"تمہارا ابھی تک اشنان پورا نہیں ہوا اور مجھے تو بجے تک نکلنا تھا۔ حد ہے کاہلی اور سستی کی۔" وہ جیسے دہاڑ کر بولا۔ ماہ رو بال بناتی کچھ گھبرا گئی۔

"اٹھ تو گئی ہوں اب کیا کروں؟" اس نے بوکھلاہٹ میں ہیئر برش پٹخ کر سلیپر پہنے۔ کیا اسے عون کے ساتھ کہیں جانا تھا؟ کیا پتا ناشتا کرنے؟ اس کا دل بڑا خوش فہم ہوا۔

"میرا منہ دیکھو۔" وہ پھر سے دہاڑا۔

"دیکھ تو رہی ہوں۔ کیا ہوا؟ تازہ شیو بنائی ہے۔ کٹ تو نہیں لگا؟" ماہ رو نے فکر مندی سے کہا۔ اب بھلا وہ اس کے علاوہ کیا کہہ سکتی تھی؟

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ پھر سے چیخا تھا۔ ماہ رو منہ بند کر کے کھڑی ہو گئی۔ اب بھلا کیا کرے؟ حد تھی۔ جان بوجھ کر ستائے چلا جا رہا تھا۔ خیر ستاتا تو اس نے تھا ہی... بس ماہ رو کو ثابت قدم رہنا تھا اور بالکل بھی گھبرانا نہیں تھا۔ وہ ستم آزمائے گا۔ ماہ رو جگر آزمائے گی۔ دیکھیں گے جیتے گا کون؟

اس کے حوصلے بھی جوان تھے اور ارادے بھی اٹل۔ اتنی آسانی سے ہار تسلیم نہیں کرے گی۔ آخر سیٹھ سرفراز احمد کی بیٹی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ دل الٹی جگہ اٹکا لیا تھا۔

معاً" اس کی دہاڑ پہ دروازہ ایک دم کھلا تھا۔ عون کی امی کھانے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی تھیں۔ کمرے میں ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیل گئی تھی۔ رات بھر سے بھوکی ماہ رو کی بھوک انگڑائی لے کر بے دار ہو گئی تھی۔ اسے عون کی امی پہ ٹوٹ کر پیار آ گیا تھا۔

اور ابھی وہ فرط خوشی میں جلدی سے آگے بڑھ کے ٹرے تھامنا چاہتی ہی تھی جب عون کی خفگی بھری آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ اس نے ماں کی وجہ سے غرانے سے کچھ پرہیز کیا تھا۔ یقیناً "امی کے احترام میں۔

"آپ پھر ناشتا اٹھالائی ہیں۔ یہ فاؤل ہے امی! کل کا پورا دن میں نے ابو سے جھگڑا کر کے کچن الگ کروایا تھا اور آپ میرے کیے کرائے پہ پانی پھیر دینا چاہتی ہیں۔ جب میں نے کہہ دیا تھا کہ ہمارا کھانا الگ ہو گا تو الگ ہی ہو گا۔ پھر یہ تکلیف کیوں؟ بلکہ یہ زیادتی کیوں؟" عون کا لہجہ نرم تھا لیکن الفاظ تلخ۔ وہ ماں کی وجہ سے لہجہ بدل کر بہت دھیمے انداز میں بول رہا تھا۔

"تم حد کرتے ہو عون! اور تمہارے ابو بھی حد کرتے ہیں۔ تمہاری ضد پہ انہیں غصہ آگیا۔ اور انہوں نے تمہارا کچن الگ کروادیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تم میرے جیتے جی ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اپنا چولہا الگ کر لو۔ پھر اس صورت حال میں جب بہو کا یہاں نیا قدم ہے۔ نہ اسے پکانے کی سمجھ بوجھ ہے نہ کام کرنے کی۔ ابھی اس کے دلہناپے کے دن ہیں اور تم اسے چولہے میں جھونکنا چاہتے ہو۔ ابھی تو مجھے پہلا پچھتاوا نہیں گیا کہ اپنی بیٹی کا کوئی چاؤ نہیں کر سکی۔ اوپر سے تم اس پہ دہری ذمہ داریاں ڈال دینا چاہتے ہو۔ ایسا بالکل نہیں ہو گا عون! اچھا ہے۔ جس کان سے مرضی ہے سنو۔۔۔ ناشتا کھانا اکٹھے ہو گا اور تم میری بہو پہ کوئی دباؤ نہیں ڈالو گے۔" امی نے اپنے مخصوص دھیمے مگر دو ٹوک لہجے میں حکمیہ انداز اپنا کر کہا تو عون بری طرح سے جز بز ہو گیا تھا۔

"یہ بالکل ٹھیک نہیں امی! آپ مجھے مجبور مت کریں پلیز، پھر اس طرح یہ مہارانی کچھ بھی نہیں سیکھ پائے گی۔" اس نے بڑے محتاط انداز میں ماں کے ساتھ بحث کرنا شروع کر دی تھی۔

"آہستہ آہستہ سب سکھا دوں گی۔ تم ایک ہی دن میں اسے کامیاب ترین کک نہیں بنا سکتے۔" ان کا لہجہ ہنوز ہی تھا۔ دو ٹوک اور حکمیہ۔

"لیکن مجھے یہ منظور نہیں۔" اس نے ضدی انداز میں کہا۔

"تو نہ ہو۔۔۔" امی کے انداز میں لاپروائی تھی۔ "تم سارے مرد گھر میں ٹکتے کب ہو۔ دل چاہا گھر سے کھایا ورنہ باہر سے پیٹ بھر آئے۔ یہ عذاب تم ماہ رو کے لیے بنانا چاہتے ہو کہ وہ اپنی اکیلی کے لیے روٹی پکاتی پھرے۔۔۔ ہمارے لیے شرم کا مقام ہے۔ میری بیٹی کی روٹی مجھ پہ بھاری نہیں۔۔۔۔ خبردار جو تم نے میرے ساتھ بحث کی۔" انہوں نے عون کو غصے بھری نظروں سے گھور کر چپ کھڑی ماہ رو کو اشارہ کیا تھا۔

"پکڑو بیٹا! خود بھی کھاؤ۔۔۔ اور اسے بھی دو۔۔۔ یوں ہی نعمتوں کو ٹھوکریں مارتا ہے۔ یہ جانے بغیر کہ نعمتوں کو ٹھکرا دینے کے بعد پھر یہ بار بار ہاتھ نہیں آتیں۔" انہوں نے عام لہجے میں بڑی کھری بات کی تھی۔ عون اندر تک سلگ گیا تھا۔ ناک تک غصے میں بھر گیا تھا۔ اور یہ بات تھی کہ ماں کے سامنے بول نہیں سکتا تھا۔

ادھر ماہ رو، ماں بیٹے کی بحث میں پنڈولم کی طرح جھول رہی تھی۔ کیا کرے؟ ٹرے پکڑے یا نہیں؟ ناشتے کو ہاتھ لگائے یا نہیں؟ اس نے سہمی نظروں سے عون کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی گھوری پہ ٹرے کی طرف بڑھتے ہاتھ ہوا میں معلق رہ گئے تھے۔ تب امی کو بلا کا غصہ آگیا تھا۔

"عون! تم ٹھیک نہیں کر رہے۔ اپنے باپ سے اختلاف اپنی جگہ۔۔۔۔ تم میرا دل نہیں دکھا سکتے۔ پکڑو ماہ رو بیٹی! ناشتا شروع کرو۔۔۔۔ رات بھی تم نے کچھ نہیں کھایا۔" امی نے عون کو گھرکتے ہوئے گم صم کھڑی ماہ رو کو مخاطب کیا تو اس دفعہ بھوک سے عاجز آتی ماہ رو نے ٹرے پکڑنے میں دیر نہیں کی تھی۔ اور عون نے بھی مزید گھورنے کا تکلف نہیں کیا تھا۔ البتہ وہ ایک سلگتی نگاہ ماہ رو پہ ڈال کر باہر نکل گیا تھا۔ امی اسے پکارتی رہ گئی تھیں۔ پھر سر تھام کر وہیں بیٹھ گئیں۔ ماہ رو جو ان کے اصرار پہ بے تکلفی سے گرما گرم ناشتے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ تھوڑا خفیف سی ہو گئی۔

"عون کو غصہ ہے۔" اس نے محض یہاں تک تبصرہ کیا تھا۔ امی جو کسی گہری سوچ میں تھیں ایک دم چونک گئیں پھر گہرا سانس کھینچ کر بولیں۔

"اتر جائے گا۔ تھوڑا غصہ کرے گا پھر رام ہو جائے گا۔ کیونکہ اسے الگ کچن والی اپنی ضد منوانی تھی۔

میں نے اس کی ایک نہیں چلنے دی۔ سو اسی بات پہ برہم ہے.... اپنے باپ پہ پڑا ہے' ویسا ہی ضدی اور جذباتی۔" وہ اسے آہستہ آہستہ بتانے لگی تھیں۔

حیرت انگیز طور پر وہ ساری باتیں جو ماہ رو کو ابھی تک نہیں پتا تھیں۔ وہ عون کو اس کے مزاج کو اس کی پسند ناپسند کو جانتی تک نہیں تھی۔ اور اس وقت عون کی امی کے منہ سے سب باتیں سن کر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اسے عون کے متعلق جاننا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"ہر بچہ اپنی فطرت پہ پیدا ہوتا ہے۔ ہر بچے کا اپنا الگ ہی مزاج ہوتا ہے۔ عون میرے سارے بچوں میں مختلف تھا۔ شروع سے ہی الگ تھلگ مزاج رکھتا تھا۔ اسے بہن بھائیوں کے ساتھ کھیلنا کودنا پسند نہیں تھا۔ دوست بنانے کا شوق بھی نہیں تھا۔ اور جو عون کی طبیعت کے دوست تھے وہ تھوڑے جھگڑالو ٹائپ تھے۔ کچھ غصہ ور تھے عون کی طرح ہی.... آپس میں جب لڑتے تو بات ہاتھا پائی سے ہوتی ہوئی مار کٹائی تک پہنچ جاتی تھی۔ اکثر کسی کا سر پھٹ جاتا کسی کی ٹانگ ٹوٹ جاتی.... عون کے ابو آئے دن کی اس صورت حال سے تنگ آچکے تھے۔ انہوں نے اس کے دوستوں کی سنگت تڑوادی تھی۔ کیونکہ جب بھی وہ باہر سے لڑ کے آتا تھا۔ اس کے ابو بجائے سمجھانے کے' پیار کرنے کے الٹا اسے مار مار کر فنا کر ڈالتے تھے۔

بس اس کے مزاج کی تبدیلی کا آغاز اور شروعات وہیں سے ہونا شروع ہوئی تھیں۔ میرے باقی بچے نسبتاً" بے ضرر قسم کے تھے۔ گلی محلے میں بھی نہ جھگڑتے نہ لڑائی کو پسند کرتے۔ لیکن عون کی آئے دن شکایتوں نے ہمیں بہت عاجز کر دیا تھا۔

اس کے ابو نے سمجھانے کے لیے جو ڈنڈا پکڑا تو کالج تک وہ ڈنڈا ساتھ ہی رہا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ کالج میں پہنچ کر عون میں خاصی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ وہ پہلا والا عون نہیں رہا تھا۔ کچھ بدل گیا تھا۔ چونکہ بھائیوں اور کزنز میں وہ گھلتا ملتا نہیں تھا۔ ہمیشہ دور ہی رہتا تھا۔ بس گھر میں فریحہ سے دوستی تھی۔ اور اسی کے ساتھ بات چیت کرتا تھا۔ اسی کو اپنا ہمدرد بھی سمجھتا تھا۔ سو وہ فریحہ تک ہی محدود رہتا تھا۔

فریحہ اس کی اچھی غم گسار تھی۔ ابو سے مار پڑتی تب بھی وہی زخموں کی ٹکوریں کرتی تھی اور اگر باہر سے لڑ کے آتا تب بھی فریحہ ہی زخموں پہ مرہم رکھتی۔ فریحہ اس کے لیے دوست' استاد' کزن سب کچھ تھی۔ وہ فریحہ کے ہی قریب تھا۔ اپنی ہر بات اسے بتاتا تھا۔ اسی سے مشورہ لیتا تھا اور اسی کی مان بھی لیتا تھا۔

باپ کے ساتھ اس کے اختلافات بہت پہلے سے تھے۔ اس وقت جب انہوں نے اسے فوج میں بھرتی نہیں ہونے دیا تھا۔ اس وقت بھی جب انہوں نے اسے انجینئرنگ پڑھنے نہیں دی تھی۔ پھر اس نے لاء کرنا چاہا تب بھی رحمان رکاوٹ بن گئے۔ ان کے نزدیک وکالت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ کہتے تھے وکیل بھوکے مرتے ہیں۔ یہ رحمان کی ضد تھی کہ وہ میتھس ہی پڑھے۔ گو کہ وہ میتھ میں بہت اچھا تھا۔ اس نے باپ کی ضد مان لی اور میتھس میں ایم ایس سی کیا۔ ایم فل کیا.... یونیورسٹی نے اسے ہائیر ایجوکیشن کے لیے اسکالرشپ دیا تب بھی رحمان اس کے خوابوں کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔ انہوں نے اسے آسٹریلیا بھیجنے سے صاف انکار کر دیا۔ نہ پیسہ دیا نہ سپورٹ کیا۔ بقول رحمان کے انہوں نے اتنا پیسہ لگا کر اس لیے نہیں پڑھایا کہ وہ گوروں کو فیض دیتا رہے۔ یہ ساری تعلیم انہوں نے اس لیے دلوائی تھی تاکہ عون سے وہ کلن واری کروا سکیں۔

انہوں نے باقی بیٹوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا۔ وہ سب فرمانبرداری سے مان گئے تھے۔ اپنا خاندانی کاروبار سنبھال لیا تھا۔ لیکن عون اس بات پہ بھی ڈٹ گیا۔ اس نے کہا۔

"وہ جاب ہی کرے گا۔" وہ ضد پہ اڑ گیا تھا۔ رحمان نے ایک مرتبہ پھر اس کی خواہش کا گلا دبا ڈالا.... ان کے نزدیک دوسروں کی چاکری سے بہتر تھا اپنا کام کیا جائے۔

سو یہاں بھی عون کو من مارنا پڑا.... گو کہ گھر میں کئی مہینے تک جنگ چلی تھی۔ عون ناراض ہو کر ہاسٹل چلا

گیا۔ اس کے باپ کو کوئی پروا نہیں تھی۔ پھر فریحہ کے سمجھانے پہ نہ صرف عون نے اپنی ضد توڑی تھی بلکہ وہ گھر بھی واپس آگیا۔ اور اپنی اتنی شاندار ڈگریوں کو لاک اپ کر کے دوکانداری میں لگ گیا تھا۔ یہاں بھی باپ جیت گیا تھا اور بیٹا ہار گیا تھا۔

رحمان کو اور کیا چاہیے تھا۔ وہ پھر بھی ناخوش تھے۔ کیونکہ پلازہ کی ہر دوکان میں سیل کے حساب سے الیکٹرونکس مصنوعات میں پرافٹ کم آتا تھا۔ اور وہ حصہ یا ڈپارٹمنٹ عون کے سپرد تھا۔ جہاں سے کبھی منافع نہیں ہوا۔ پھر باپ بیٹے کے اختلافات لڑائیاں جھگڑے کی حد نہیں.... گھر میں بے سکونی تھی۔ ہر وقت ٹینشن کا سماں رہتا تھا۔ عون نے کئی مرتبہ پلازہ کو لات مارنی چاہی تھی لیکن میرے اور فریحہ کے سمجھانے پہ خاموش ہو جاتا تھا۔

کیونکہ رحمان نے دھمکی دے رکھی تھی جو پلازہ میں برابر آکر کام نہیں کرے گا۔ اسے نہ تو پرافٹ میں حصہ ملے گا۔ نہ وہ جائیداد میں حصہ دیں گے۔ جو نوکری کرے گا۔ وہ بس نوکری سے کمائے اور کھائے گا۔

مجھے کہنے میں کوئی عار نہیں کہ رحمان کی اکثر ضدوں نے عون کو زبردستی اکھڑ 'ضدی اور نافرمان بنا دیا 'حالانکہ میرے بیٹے نے کبھی نافرمانی نہیں کی۔

وہ شروع سے الگ تھلگ رہا۔ بہن بھائیوں سے دور دور۔ اپنے مزاج کی وجہ سے لیکن یہ نہیں تھا کہ اس میں احساس اور خیال نہیں تھا۔ لیکن اس کے ابو کو ہمیشہ اس سے شکایتیں ہی رہی ہیں۔

وہ مزاجاً" اکھڑ سہی 'تند سہی تاہم اس میں کوئی بری عادت نہیں۔ نہ اس نے کبھی سگریٹ پیا نہ کوئی اور بری عادت۔ یونی ورسٹی میں بھی ہمیشہ لڑکیوں سے دور ہی رہا۔ میں تو مان ہی نہیں سکتی کہ وہ کسی غیر اخلاقی حدود کو تجاوز کر سکتا ہے۔ وہ سب جو لوگوں نے دور دور تک پھیلایا .... مجھے ایک فیصد بھی اس پہ یقین نہیں۔" انہوں نے دھیمی آواز میں عون کی پرت در پرت شخصیت کو کھولنا شروع کیا تھا۔ پھر جب وہ آخر میں لمحہ بھر کے لیے رکیں تو ماہ رو نے جیسے نظر چرالی تھی۔ یوں لگ رہا تھا وہ خاص طور پہ اسے ہی سنا رہی تھیں۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

"اس کے ابو نے بہت شروع سے ہی اسے دباؤ میں رکھنا چاہا تھا۔ جیسے وہ دوسرے بیٹوں کو رکھتے تھے۔ کسی حد تک وہ لڑنے جھگڑنے کے بعد بھی دباؤ میں ہی رہا تھا۔ وہ ضدی تھا لیکن ایسا بھی نہیں بات نہیں مانتا تھا۔ اپنی مرضی چلاتا تھا۔ لیکن جیسے ہی میں کوئی بات سمجھاتی تھی وہ رام بھی ہو جاتا تھا۔

پھر جب ہم نے اس کی شادی کا ارادہ ظاہر کیا تب بھی اس نے کوئی ڈیمانڈ نہیں رکھی۔ سارا معاملہ مجھ پہ چھوڑ دیا تھا۔ اس کی کوئی پسند ہوتی تو وہ لازمی بتاتا۔ میں نے فریحہ کے لیے خواہش ظاہر کی تو تب بھی اس نے یہی کہا۔

"جو آپ مناسب سمجھیں۔" فریحہ گھر کی بیٹی تھی۔ اسے چھوڑ کر میں باہر سے بہو کبھی نہ لاتی۔ جب میں نے عون کے ابو اور چاچا سے اپنی خواہش کا ذکر کیا تو تب دونوں نے ایک ساتھ ہی مجھے جواب دیا تھا۔ ان کا جواب میرے لیے بڑا حیران کن تھا۔" وہ ایک مرتبہ پھر بولتے بولتے اچانک رک گئی تھیں۔ جیسے کسی سوچ میں پڑ گئی تھیں اور فریحہ کا ذکر ایسا تھا کہ ماہ رو جلد از جلد اس کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ فریحہ کا رشتہ عون کے ساتھ کیسے ہوا؟ اس میں عون کی کتنی پسندیدگی شامل تھی؟ عون فریحہ کو چاہتا تھا یا نہیں؟ وہ ایک گھر میں رہتے تھے یقینی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ قلبی لگاؤ تو ضرور ہو گا۔ یہ رشتہ جڑا کیسے تھا اور ٹوٹا کیسے؟ عون تو اس پہ صاف الزام رکھتا تھا کہ اس کی وجہ سے یہ رشتہ ختم ہوا تھا لیکن ماہ رو کو وجہ کچھ اور معلوم ہوتی تھی۔ بھلا اس کی وجہ سے یہ شادی کیسے ٹوٹ سکتی تھی؟

"انہوں نے کیا جواب دیا؟" عون کی امی کو خاموش دیکھ کر ماہ رو نے بے چینی سے انہیں کچھ یاد کروایا تھا۔ وہ چونک کر گہرا سانس کھینچتی نرمی سے دوبارہ بتانے لگیں۔

"ان دونوں نے کہا۔ وہ تو فریحہ کے لیے عاشر کو فائنل کر چکے تھے۔ فرقان بھی اپنے بھائی کی طرح عون سے زیادہ عاشر کو پسند کرتا تھا۔ اس لیے بھی کہ عون کی نسبت عاشر میں بہت سی اچھی خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ فرقان نے بڑے واضح لفظوں میں کہا تھا۔

"بھابھی! میرا تو عاشر پہ دل تھا۔" اور واقعی فرقان کا عاشر پہ ہی دل تھا۔ لیکن جب میں اڑ گئی اور میرے ساتھ فریحہ کی امی بھی مل گئیں تو ان دونوں کو مانتے ہی بنی تھی۔ دراصل فرقان کو عون کے مزاج' رویے اور طبیعت کے روکھے پن کی وجہ سے بہت تحفظات تھے۔ عون کے مزاج میں تندی تھی اور عاشر کے مزاج میں حلیمی تھی۔

تب بھی رحمان اور فرقان کا دل نہیں تھا کہ ان کی لاڈلی نرم خو فریحہ کی شادی عون سے ہو۔ لیکن میں نے یہاں ایک نہیں چلنے دی تھی۔ اگر عون کو رشتہ نہیں دے رہے تھے تو پھر عاشر بھی کیوں؟" میری ضد پہ فرقان کو چپ ہونا ہی پڑا تھا کیونکہ جو بھی تھا وہ اکلوتی بیٹی کو اپنے کسی بھی بھتیجے سے بیاہنا چاہتا تھا۔ خاندان سے باہر نہیں۔

یوں خوش اسلوبی سے یہ رشتہ طے ہو گیا تھا تاہم تب بھی رحمان خوش نہیں تھے۔ وہ بات بے بات عون کو کچوکے لگاتے۔ طنز کرتے غصہ ہوتے کہ وہ اس قابل ہی نہیں تھا۔ لیکن اسے فریحہ جیسی لڑکی کا ساتھ مل گیا ہے۔ فریحہ تو عاشر جیسے لڑکے کو ڈیزرو کرتی تھی۔ اس کی قسمت خراب تھی جو غلط جگہ رشتہ جڑ گیا تھا۔

شروع سے ہی جن رشتوں کے درمیان اختلافات کی فصیلیں کھڑی ہونے لگیں وہ رشتے کبھی کامیاب نہیں ہوتے یا پھر سارا ہیر پھیر نصیب کا تھا۔ آسمانوں پہ جوڑیاں لکھے ہی نہیں تھے جو ہم انسانوں نے اپنی مرضی سے بنا دیے تھے۔ ایک ہنستی بستی زندگی' ایک خوشگوار انداز میں شروع ہونے والی شادی اچانک ختم ہو جائے گی۔ وہ بھی اتنی شرم ناک وجوہات کی بنا پر۔ سوچ کی انتہا تک بھی دل تسلیم نہیں کرتا تھا۔ لیکن ہونی کو کون روک سکتا ہے۔۔۔؟" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے افسردگی سے کہا تھا۔ ان کے چہرے پہ عجیب سی اذیت پھیل گئی تھی۔

"اور عون کہتا ہے یہ شادی میری وجہ سے ختم ہوئی۔" ماہ رو نے بھی ان کے خاموش ہوتے ہی آہ بھر کے اپنے دل کا پھپھولا پھوڑا تھا اور عون کی امی نے اچانک آنکھیں پوری کھول کر حیرانگی سے اسے دیکھا۔ جیسے کہہ رہی تھیں۔ "تو کیا نہیں ہوئی تھی؟ جہاں سے بھی بات نکلتی وجہ تو تم ہی تھی۔" انہیں وہ ساری بدنامی یاد آنے لگی۔ استہزا' طنز اور ذلت جو ماہ رو کے توسط سے ہی ان کا نصیب بنی تھی مگر ان کی اعلا ظرفی کو یہ گوارا نہیں تھا کہ ماہ رو کو جتا جتا کر شرمندہ کریں۔ کیونکہ جو بھی تھا۔ ماہ رو ان کی عزت بن چکی تھی اور شاید بیٹے کی محبت بھی۔

گو کہ رشتہ ٹوٹنے' شادی رکنے میں جو وجہ سامنے آئی تھی اس کا لب لباب تو یہی تھا عون کو ایک امیر زادی سے محبت ہو گئی تھی اور وہ اسے بھگانے یا اغوا کرنے کے لیے اس کے گھر پہنچ گیا تھا۔ موقع واردات پہ کئی چشم دید گواہ بھی موجود تھے۔ سو عون کسی بھی طرح سے مکر نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنے ہی شکنجے میں پھنس گیا تھا۔

لیکن تب سے لے کر اب تک عون کی امی کو ان دونوں نئے نویلے میاں بیوی کے درمیان "محبت" کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ باقی سب کچھ تو دکھائی دے رہا تھا لیکن وہ عشق دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جس کے پیش نظر اتنی بڑی بدنامی مول لی تھی۔ اور خاک دھول اڑائی تھی۔

اگر یہ لو میرج تھی تو پھر کہاں گیا تھا؟ یہاں تو خالی میرج بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ دونوں شادی کے تیسرے دن ہی بے زار' تلخ' خاموش' روٹھے روٹھے سے نظر آرہے تھے۔

عون کی امی کو دیکھ دیکھ کر ہول اٹھنے لگے تھے۔ پیچھے جو کچھ بھی ہوا تھا اس سب کو بھلا کر وہ چاہتی تھیں کہ عون اور ماہ رو ہمیشہ خوش رہیں۔ ایک ماں ہونے کے ناطے ان کی یہ خواہش بے جا نہیں تھی۔

"آپ یقین کریں آنٹی! عون کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہے۔ میں تو جانتی ہی نہیں تھی کہ عون اور فریحہ کی شادی ہو رہی تھی۔ مجھے فریحہ نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ انوائٹ تک نہیں کیا۔" ماہ رو اچانک انہیں سوچوں کے بھنور سے کھینچ لائی تھی۔ اور عون کی امی جیسے ہکابکا رہ گئیں۔

"ایں..... یہ ماہ رو کیا ٹھیک کہہ رہی تھی؟" ان کا اچنبھا کسی طور بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

"میرا یہاں آنا جانا تھا۔ اتنا تو آپ مجھے جانتی ہی ہوں گی آنٹی! کہ میں کسی کا برا نہیں سوچ سکتی؟" ماہ رو روہانسی ہو کر بول رہی تھی۔

"اگر میں بری ہوتی تو کبھی بھی فریحہ کے کسی کام نہ آتی۔ یونی سے لے کر بعد تک جب بھی فریحہ نے مجھے چھوٹے سے چھوٹا کام کہا میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بہت دفعہ میں اس کے ساتھ بلاوجہ گرمی میں چھوٹے چھوٹے بازاروں میں شاپنگ کے لیے گھومتی رہی ہوں۔ یونی میں اس کا ہر کام میرے ذمہ تھا۔ ہر جگہ سے نوٹس اکٹھے کرکے اسے فوٹو سٹیٹ کروا کے دینے' اگر اس کی کسی کے ساتھ تکرار ہو جاتی تب بھی میں ہی پرائی لڑائی میں کود پڑتی۔ اکثر اسے پروفیسرز کی ڈانٹ سے بچاتی تھی۔ مجھ میں بہت بری عادتیں بھی ہوں گی۔ لیکن ایک بات دعوے سے کہہ سکتی ہوں مجھ میں مروت بھی ہے اور میں کسی کا برا کبھی نہیں چاہ سکتی۔" ماہ رو نے ایک ہی سانس میں وہ سب کہہ دیا تھا جو وہ عون کو بتانا چاہتی تھی۔ لیکن عون اسے موقع نہیں دے رہا تھا۔ نہ ہی وہ کچھ صفائی میں سننا چاہتا تھا۔ وہ اسے برے پن کا ٹائٹل دے چکا تھا۔ اب اپنی بات سے کبھی نہ ہٹتا۔ وہ اس کے نزدیک بری تھی اور ہمیشہ بری ہی رہتی۔

"گو کہ فریحہ میری ماہم جیسی بیسٹ نہ سہی' فرینڈ تو تھی۔ میں کیسے اس کے لیے گڑھا کھود سکتی تھی آنٹی! اور عون اس بات کو سمجھتا ہی نہیں۔ اس کے نزدیک میں ہی غلط ہوں۔ اور وہ کہتا ہے میں اس کے ابو کے سامنے اپنی غلطی کا اور اپنے غلط ہونے کا اقرار کروں۔ میں انہیں بتاؤں۔ میں ہی ماسٹر مائنڈ پلانر ہوں۔ چالباز ہوں۔ میری شاطرانہ چال میں عون کا کوئی قصور نہیں۔ جو بھی کیا میں نے کیا۔ میں اسے چاہتی تھی سو گناہ گار بھی میں ہی تھی..... اور آنٹی! وہ یہ بھی کہتا ہے۔ میں انکل کے سامنے نہیں بلکہ سارے خاندان کے سامنے اعلان کروں۔ میری گھٹیا سوچ' پلاننگ اور بہتان مجھ تک ہی محدود تھے۔ کیونکہ میں کریکٹر لیس لڑکی تھی۔ میں نے عون پہ ڈورے ڈال کر اسے جان بوجھ کے بدنام کیا ہے۔

اور آنٹی! وہ یہ بھی چاہتا ہے۔ میں پورے خاندان کے سامنے حلف اٹھا کر اسے سچا ثابت کروں..... اور ببانگ دہل عون سے طلاق کا مطالبہ کرکے اس کی زندگی سے نکل جاؤں۔" ماہ رو نے آخر میں پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اپنے دل کا سارا بوجھ اتار پھینکا تھا کہ پھر یوں ہوا..... عون کی امی کا کلیجا تک کانپ گیا۔ وہ اس کے تڑپنے پہ خود بھی تڑپ گئی تھیں۔ ماہ رو اندر سے کس قدر تکلیف میں تھی۔ زخمی تھی اور شاید سچی بھی ہو۔ وہ تو عون کی سن کر اسی پہ ایمان لے آئی تھیں۔ ماہ رو کو تو آج سننے کا موقع ملا تھا۔ عون کی امی کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ وہ اتنی شاکڈ تھیں کہ ہر چیز کو نظر انداز کرکے محض ماہ رو کے آخری الفاظ پہ پتھر ہو گئیں۔ انہیں یقین نہیں آیا تھا عون ایسی بکواس بھی کر سکتا ہے۔ ان کے خاندان میں پہلے کبھی ایسا ہوا تھا؟ پہلے کبھی کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ بھی نئی نویلی تین دن کی بیاہتا بیوی۔

"اس نے ہمت کیسے کی تمہیں طلاق لینے پہ مجبور کرنے کی۔ بے شرم کی غیرت نجانے کہاں سوئی ہے۔ ہم خاندانی لوگ ہیں۔ ایک جگہ جہاں بات پکی کردی کبھی ہٹے نہیں۔ یہ عون اور فریحہ کا تو معاملہ ہی الگ تھا۔ اس میں فرقان خود پیچھے ہٹ گیا تھا۔ ورنہ یہ شادی بھی ہو کر رہتی۔

اور یہ عون کس قدر کمینہ ہو رہا ہے..... طلاق کی بات کرتا ہے۔ بے حیا نہ ہو تو۔ باپ کو پتا چلا تو کھڑے کھڑے گولی سے اڑا دیں گے۔ یہ ذلیل ہمیں اور بھی

ذلیل کرے گا۔ پہلے بدنام کیا کم ہو چکے ہیں جو اب نئی بدنامی مول لینا چاہتا ہے۔ ہر وہ کام آخری انتہا پہ کرے گا جو پہلے ہماری پشتوں میں نہیں ہوا۔ پہلے کیا کم بہتان لگ چکے تھے اور اب الزامات لگوانے پہ تلا بیٹھا ہے۔ بے شرم' بددماغ نہ ہو تو۔

اور یہ تم کیوں روتی ہو؟ میں تمہاری ماں ہوں.... صرف عون کی ماں نہیں ہوں۔ تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں ہونے دوں گی اور عون کے ابو تو کبھی اسے کسی بھی انتہائی فعل کا مرتکب نہیں ہونے دیں گے.... تم بے فکر ہو جاؤ۔ وہ اپنی جلن' غصہ اور زہر نکالتا ہے۔ باپ کے سامنے بول بال کر بھڑاس ضرور نکالتا ہے۔ لیکن ان کے فیصلوں کی نفی کبھی نہیں کر سکتا۔ مخالفت ضرور کر لیتا ہے۔ جھگڑا بھی' تاہم ان کی کسی بات کو ٹھوکر سے اڑا کر من مانی کی جرات نہیں اس میں۔"

انہوں نے روتی ہوئی ماہ رو کو سینے سی چمٹا کر ڈھیر سارا پیار کیا۔ ڈھیر سارا اعتماد بخشا' تو ماہ رو اندر تک اور بھی مضبوط اور بھی مستحکم ہوتی چلی گئی تھی۔ عون کی امی کے سینے سے لگی ماہ رو کے اندر ٹھنڈک اتر آئی تھی۔ زندگی میں شازمہ کے ہوتے ہوئے بھی پہلی مرتبہ اسے ممتا کا صحیح احساس ہوا تھا۔ اس نے ممتا کی گرمی اور نرمی' ٹھنڈک اور سرشاری کو بیک وقت محسوس کیا تھا۔ اس کا دل اور آنکھیں دونوں بھر بھر آئی تھیں۔

"اور آئندہ تم آنٹی نہیں کہو گی.... میں تمہاری ماں ہوں اور رحمان باپ۔ ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں کبھی کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی گیدڑ بھبھکیوں پہ مت جانا۔ غصے کا تیز ہے دل کا برا نہیں۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں کے کٹوروں میں اس کا حسین چہرہ تھاما اور پھر انہیں ٹوٹ کر پیار آ گیا تھا۔ ان کی محبت محسوس کر کے ماہ رو کو کچھ اور بھی یاد آ گیا۔

"امی!" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "عون! کہتا ہے میں زبردستی اس کی زندگی میں گھسی ہوں۔ آپ کا عون عباس بڑا بے رحم ہے۔" امی نے اسے سچی امی ہونے کا احساس کیا دلایا تھا وہ عون کی شکایتیں کھول کر بیٹھ گئی۔

"رہنے دو اس فضول آدمی کو.... خواہ مخواہ بکواس کرتا ہے۔ تم اب نہ آتیں تو میں کسی اور طریقے سے تمہیں لے آتی۔ جب تم فریحہ سے ملنے آتی تھیں میں نے تب سے ہی دل میں سوچ لیا تھا کہ تمہیں اپنی بہو بنا کر رہوں گی۔" امی نے بڑی محبت سے اپنے شروع شروع والے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ تب ماہ رو تھوڑا حیران ہو کر چونک گئی تھی۔

"لیکن تب تو عون عباس فریحہ سے انگیجڈ تھا۔" اس کی آنکھوں میں تحیر در آیا۔ گو کہ تب وہ ٹوٹلی بے خبر تھی۔

"ضروری تھا عون کے ساتھ ہی شادی ہوتی۔ میں عاشر کے لیے تمہیں لے آتی۔" امی کے سادگی بھرے انداز پہ ماہ رو کو جھٹکا لگا تھا۔ وہ بے ساختہ ان کے سینے میں گھس کر چیخ پڑی تھی۔

"نہیں امی! عاشر نہیں بس عون ہی.... میں عاشر کے لیے کبھی نہ آتی۔" اس کے بے ساختہ پن اور لمبی سی چیخ پہ پہلے تو امی حیران ہو کر ڈر گئیں تھیں پھر جب بات سمجھ میں آئی تو ایک دم ہنس پڑیں۔

"اچھا.... تو معاملہ پہلے سے یہی تھا۔" ان کا انداز پر سوچ سا نا قابل فہم ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے درختوں پہ خزاں کو منڈلاتے دیکھا اور حیران رہ گئی۔ گو کہ یہ خزاں کا موسم نہیں تھا پھر بھی درختوں کے پتے چرمرا کر گر رہے تھے۔ ٹوٹ ٹوٹ کر بے جان ہو رہے تھے بالکل اس کے دل کی طرح روکھے' خشک اور ویران تھے۔ یا پھر اس کے اپنے احساسات اور محسوسات ایسے تھے ہر چیز میں خود بخود ویرانی دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے پودوں' پھولوں' کلیوں کا رنگ روپ کملا گیا ہو۔

اس کی آنکھوں میں ریت سی بھر گئی تھی۔ آج پانچواں دن تھا۔ ہر روز ایک نیا دن نکلتا اور غروب ہو جاتا۔ ہر نئی صبح چڑھتی اور پھر ڈھل جاتی تھی۔ دن پہ

دن گزر رہے تھے۔ لیکن اس کے اندر کا موسم ہنوز وہی تھا۔ اور فریحہ کی امی کہتی تھیں تم بزدلوں کی طرح منہ چھپا کر بیٹھ گئی ہو۔ اور وہ زمانہ ساز چالاک لڑکی اس کی ایک ایک چیز پہ قبضہ جما کر پورے گھر میں دندناتی پھر رہی تھی۔ اس حال میں کہ عون تک چیخ چنگھاڑ کر بے بس ہو رہا تھا اور وہ لڑکی اپنی ہوشیاری چالاکی' خوش مزاجی سے تایا کی پوری فیملی کو مٹھی میں کر رہی تھی۔ امی نے یہ صورت حال دیکھی اور انگشت بدناں سی فریحہ پہ چڑھ دوڑی تھیں۔

"تم اسی دڑبے میں سوگ مناتی رہو۔ اور اوپر سے آئے لوگ تمہارے ہی گھر میں اپنا سکہ جما رہے ہیں۔" امی کا غصہ اور دکھ چھلک رہا تھا۔ اور بے بسی بھی اپنی جگہ قائم دائم تھی۔ فریحہ نے تلخی سے امی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"تو میں کیا کر سکتی ہوں میرے اختیار میں کیا ہے؟ وہ ڈنکے کی چوٹ پہ عون کو چھین چکی۔ میری شادی تڑوا چکی اور اب ان لوگوں کے دلوں پہ بھی قبضہ جما رہی ہے تو پھر میں کیا کروں؟ میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"حد ہے فریحہ! تم سا بزدل کوئی نہیں۔ بس رو دھو کر خاموش ہو گئی۔ ایک کمرے میں بند ہونے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ آنکھیں کھول کر حالات کا جائزہ لو۔ اس کیفیت سے نکلو۔ معمولات زندگی کا حصہ بنو۔ اپنی پرانی روٹین میں آؤ۔ گھر والوں میں پہلے کی طرح گھلو ملو۔ اپنا کچن دیکھو' کوکنگ کرو۔۔۔۔ پہلے کی طرح تایا اور ابا کے لیے ڈشز بنایا کرو۔ جس طرح تم ہر چیز سے الگ ہو چکی ہو۔ بہت جلد تمہیں لوگ بھی بھول کر قنوطی سمجھ کے گھاس نہیں ڈالیں گے۔ ابھی سب کو تمہاری فکر ہے۔ تایا' تائی' قاسم' عاصم اور سب سے بڑھ کر عاشر۔ جو ہزار مرتبہ تمہیں سمجھا چکا ہے۔ اس فیز سے نکالنے کی ہر کوشش کر چکا ہے۔ تم بھی کچھ ہمت پکڑو اور بزدلی کا چولا اتار پھینکو۔" امی نے اس کے الجھے بالوں کو سہلا کر کنگا اٹھایا اور نہ نہ کرنے کے باوجود فریحہ کے بال سلجھانا شروع کر دیے تھے۔ ساتھ ساتھ وہ اسے سمجھانے اور گھر کنے کی کوشش بھی کر رہی تھیں۔

"تایا تائی کی تو بات ہی رہنے دیں۔ ہونہہ نام نہاد محبت تھی اور نام نہاد احساس تھا۔" وہ جیسے زہر خند ہوئی۔ امی اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی تھیں جیسے بات سمجھنا چاہتی ہوں۔

"یہ محبت تھی۔۔۔۔ جو میرا دل اجاڑنے میں پیش پیش رہے؟ یہ احساس تھا کہ میری ہی سیج پہ کسی اور کو لا کر بٹھایا۔ اس عیاش اور غاصب لڑکی کو نہ صرف گھر لائے' بلکہ سر آنکھوں پہ رکھا کسی تمغے کی طرح سجا کر تائی سینے سے لگائے پھرتی ہیں۔ اس کی حمایت میں تایا اور تائی پیش پیش رہتے ہیں۔ یہ ان دونوں کی متفقہ چال تھی۔ آپ کو نہیں لگتا ماہ رو کی دولت' حشمت کے سامنے ان کی نیتیں بدل گئی تھیں اور جو لڑکی خود ہی پکے ہوئے پھل کی طرح گود میں گر رہی تھی اسے۔ بہت آسانی سے انہوں نے حاصل کر لیا۔۔۔ دونوں اپنی اپنی گیم میں تھے۔ دونوں ہی جیت گئے بیچ میں نقصان کس کا ہوا؟ کس کا؟" شدت غم سے فریحہ چلا اٹھی تھی۔

"میرا نا؟ اور صرف میرا ہی نہیں عون کا بھی۔۔۔" اس کی غراتی آواز میں شدید صدمے کی انتہاؤں کا ٹوٹ پڑتا اثر تھا۔

"عون کا؟" امی نے دھیمی آواز میں دہرایا۔

"تو کیا عون کا نقصان نہیں ہوا؟" وہ جیسے چیخ پڑی تھی۔ وہ جو اس دن سے چلا چلا کر آپ سب کو یقین دلا رہا ہے کہ وہ بے قصور ہے۔ اس کا کوئی جرم نہیں۔ یہ تمام سازش ہے۔ آپ میں سے کسی تک عون کی آواز نہیں پہنچ رہی؟ یہ لوگ عون کی کیوں نہیں سنتے؟ کیوں نہیں سمجھتے؟ وہ باؤلا ہے؟ کیا وہ پاگل ہے؟ نہیں نا تو پھر اس کی بات کوئی کیوں نہیں سنتا اس لیے نا کہ وہ سچا ہے اور سب جانتے ہیں وہ سچا ہے۔ وہ سچ بول رہا ہے۔ اس کا ماہ رو تو کیا کسی سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ جھوٹی بکواس تھی۔ بہتان تھا۔ سراسر الزام تھا۔

لیکن تایا ہرگز نہیں مانے۔ کیونکہ وہ ماننا ہی نہیں چاہتے تھے۔ وہ عون کو نیچا دکھانا چاہتے تھے۔ انہیں عون کو نیچا دکھانے کا موقع مل گیا تھا۔ کیونکہ اس نے

کہا تھا۔

"فریحہ سے شادی کے بعد میں ابراڈ چلا جاؤں گا۔ وہاں پی ایچ ڈی کروں گا۔ اور کوئی ڈھنگ کی باعزت جاب کروں گا۔" تب تایا کو لگا۔ وہ واقعی ہی ایسا کرلے گا۔ دکان داری چھوڑ جائے گا۔ باپ بیٹے میں اختلافات تو شروع سے تھے۔ مزید بھی بڑھتے جارہے تھے۔ پھر تایا کو موقع مل گیا۔ عون کو ڈیل کرنے کا۔ اسے اپنے زیردست رکھنے' دباؤ میں کرنے کے لیے انہوں نے ہمیشہ اس پہ چڑھائی کی تھی۔ انہوں نے تب بھی چڑھائی کردی اور اسے ہر طرح سے ٹارچر کرکے اپنا مطلب پورا کرلیا۔

ماہ رو کا ان تک آنا ایک بہانہ تھا۔ دراصل وہ چاہتے تھے کہ ماہ رو جیسی امیر لڑکی کو عون سے بیاہ دیں۔ تاکہ اس کی دولت ان کے ہاتھ آجائے۔ ساری نہ سہی آدھی تو آجاتی۔ پھر عون کے عشق میں وہ مری بھی جا رہی تھی۔ تایا' تائی کی پلاننگ خود بخود کامیاب ہوگئی تھی۔ انہیں تردد ہی نہیں کرنا پڑا تھا۔

بس یہ تھا کہ عون کو منانا مشکل تھا۔ اس کے لیے ماہ رو کا شاطرانہ ذہن بہترین چال چل سکتا تھا۔ سو ماہ رو نے اپنی گندی اور سطحی سوچ کے مطابق اپنے اوپر ہی بے ہودہ الزام لگا کر عون کو حاصل کرلیا تھا۔ کیونکہ ایسے لوگ محبت اور جنگ میں سب جائز سمجھتے ہیں۔

تو پھر بتائیں۔ اس میں عون کا کیا قصور نکلتا ہے؟ میرا دل گواہی دیتا ہے وہ سچا تھا اور سچا ہے؟ اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔" فریحہ بات کے اختتام پہ لمبے لمبے گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔ اتنی سی کوشش میں وہ تھک چکی تھی۔ ساری بھڑاس نکال دینے کے بعد "اندر" بھی خالی ہوگیا تھا۔ یوں لگا' وہ دور دور تک ہر بوجھ سے آزاد ہوچکی ہے۔ ہر غبار سے نجات مل گئی ہے۔ اور ادھر فریحہ کی امی ہکا بکا رہ گئی تھیں۔ انہیں سمجھ آگئی تھی۔ ان کی ذہین بیٹی اتنے دنوں سے تکون کمرے میں بیٹھ کر سوگ منانے کے ساتھ ساتھ پوری باریکی اور گہرائی سے مشاہدہ کر رہی تھی۔ سارے حالات کو از سر نو دیکھتے ہوئے اور بھابھی بھائی جی کے

ماہ رو کے ساتھ مشفقانہ رویے کو مد نظر رکھ کے انہیں سو فیصد فریحہ کی باتوں پہ یقین آگیا تھا۔ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ان کا دل تسلیم کرگیا تھا۔

"اگر آپ عون کا رویہ دیکھیں تو سمجھ جائیں۔ اس کے ماہ رو ساتھ چوری چھپے کے تعلقات ہوتے تو وہ جائز طریقے سے ماہ رو کے مل جانے پہ شادیانے بجاتا۔۔۔ خوش ہوتا' سرشار ہوتا۔ لیکن میں عون کو اندر تک سے جانتی ہوں۔ وہ حسن سے زیر ہونے والا نہیں۔ وہ دولت کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے والا بھی نہیں۔۔۔ نہ وہ ذہانت سے متاثر ہوتا ہے۔ اسے ہر چیز کو ایک طرف رکھ کر شرافت اور کردار کی پختگی سے محبت ہے۔۔۔ اسے متاثر کرنے کے لیے شرافت' نجابت' اخلاق' کردار اور سگھڑاپے کی ضرورت ہے۔

اور ماہ رو سرفراز میں یہ تمام خوبیاں سرے سے موجود نہیں ہیں۔ وہ ان چیزوں میں کوری ہے۔ تو پھر۔۔۔" وہ لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھی۔ اس کی آواز سے آنسوؤں کی نمی کا اثر ختم ہوگیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ ایک عجیب سی چمک۔ فریحہ کی امی کچھ چونک گئی تھیں۔ جیسے اس چمک کو سمجھنے کے بعد بولنا چاہتی تھیں۔ پھر انہوں نے اس تاثر کو کھوج لیا تھا۔

"تو پھر یہ کہ ماہ رو کو یہاں سے کک آؤٹ ہونے میں چار مہینے بھی نہیں لگیں گے۔۔۔ وہ جیسے طوفانی انداز میں آئی تھی۔ ایسے ہی طوفانی انداز میں اڑتے ہوئے بگولوں میں لپٹتی ہوئی دفع ہوجائے گی۔ کیونکہ جہاں تک میں عون عباس کو جانتی ہوں۔۔۔ وہ اپنی ذلت کو عمر بھر بھلانے والا نہیں ہے۔ اور نہ وہ ماہ رو سے رشتہ نباہنے والا ہے۔ ماہ رو کو جانا تھا۔ جانا ہے اور وہ جا کر رہے گی۔ وہ جس طرح سے میری ہر چیز پہ قبضہ جما کر بیٹھی ہے۔ میں اس کا قبضہ اکھاڑنے میں لمحہ بھی نہیں لگاؤں گی۔ چاہے مجھے جس حد تک بھی جانا پڑے۔ اور یہ اس کے ادلے کا بدلہ ہوگا۔ برابری کا حساب نہ ظلم' نہ گناہ اور نہ زیادتی۔" فریحہ کے ارادے پختہ تھے۔ انداز اٹل تھے۔ لہجہ مستحکم تھا اور آنکھوں میں کچھ کر

دکھانے کی۔۔۔ اپنی توہین کا بدلہ لینے کی چمک سانپ کی طرح پھنکارتی نظر آرہی تھی۔ فریحہ کی امی بھی دنگ رہ گئی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں پائی تھیں۔

"کیسے ہوگا؟ تم کیا کروگی؟" ان کی آنکھوں کا سوال فریحہ کی آنکھوں تک پہنچ چکا تھا۔

"عون بے اعتبار ہوچکا ہے۔ اس کا اپنے گھر والوں پہ بھی اعتماد نہیں رہا۔ وہ خود کو اکیلا اور تنہا سمجھ رہا ہے۔ میں اس کا اعتبار واپس لاؤں گی۔ اس کا اعتماد واپس لاؤں گی۔ میں اسے یقین دلاؤں گی۔ وہ غلط نہیں۔۔۔ جھوٹا نہیں۔ برا نہیں۔ بے کردار نہیں۔ اس کے ساتھ دھوکا ہوا۔ دھوکا کیا گیا۔ میں اس کا اعتبار بحال کروں گی اور تب وہ کسی بھی ماہ رو کو بھول جائے گا۔ چھوڑ دے گا اور دیکھیے گا۔ ایسے ہی ہوگا میں ایسا ہی کروں گی۔" فریحہ کی آواز دھیمی ہو کر معدوم ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پہ سکون کی لکیر کھنچ رہی تھی۔ ایسا سکون جو فریحہ سے گم چکا تھا۔ غائب ہوچکا تھا۔ کھو چکا تھا۔ وہ اب واپس آرہا تھا۔ لوٹ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور پھر ناموافق ہواؤں کو فریحہ نے اپنی ذہانت سے موافق کرلیا تھا۔ اب کہ مقابلہ بڑا سخت تھا۔ اگر ماہ رو کے پاس حسن کی فراوانی تھی تو فریحہ کے پاس ذہانت کا خزانہ تھا۔ کم بخت بھی تھی مشکل بھی تھی۔ ذہانت اور حسن کا کوئی جوڑ نہیں بنتا تھا۔ لیکن یہاں دونوں کا تصادم ہونے والا تھا۔ ٹکراؤ ہونے والا تھا۔

دنیا کے کسی بھی میزان پہ حسن اور ذہانت کو اکٹھا رکھ کے تولا جاتا تو یقینی طور پر ذہانت جیت جاتی۔ حسن ہار جاتا اور یہاں حسن اور ذہانت کی آپس میں ٹھن گئی تھی۔ جیت کس کی ہوتی؟ یہ وقت پہ فیصلہ چھوڑ دیا گیا تھا۔

کیونکہ صبح بنارس جیسی ایک سویر میں فریحہ نے موتیے اور چنبیلی کی کلیاں چنتے ہوئے جاگنگ ٹریک سے لوٹتے عون کا رستہ روک لیا تھا۔

عون بالکل ایسے ہی منجمد ہوگیا تھا۔ جیسے اپنے نکاح کے وقت منجمد ہوگیا تھا۔ یا باپ کے الزامات پہ منجمد ہوگیا تھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ فریحہ اس کے سامنے تھی اور بالکل پہلے والی فریحہ کے روپ میں سامنے تھی۔ اس کی آنکھوں میں کوئی غصہ، کوئی بے زاری، کوئی شکوہ، کوئی سوال یا کوئی نفرت نہیں تھی۔

اور اس کی حیرانگی، تعجب اور شاک کی کیفیت کو از خود فریحہ نے توڑ دیا تھا۔ وہ مسکرائی تو عون کو لگا، نسیم سحر بھی مسکرادی تھی۔

اس نے اپنے ازلی دلکش، ٹھہرے ہوئے پرسکون لہجے میں بات کی تو یوں لگا سارے کلام ان الفاظ کے سامنے ہیچ ہیں۔ پھر اس نے اپنے لفظوں کی جادوگری کا سحر پھونکا تھا اس انداز میں کہ عون کا رواں رواں اس کا مشکور ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں مسرت اور یقین کا پہلا دیا ٹمٹمایا تھا۔

گویا خود بھی ایقان نہیں تھا کہ فریحہ اس کا اعتبار کرے گی۔ اس کا یقین کرے گی۔ اسے سچا سمجھے گی۔ اور جب فریحہ نے اپنے یقین کی سحر انگیزی سے اسے مسحور کردیا تو عون عباس کی سرخ آنکھوں کے ڈوروں میں خوشی کی ننھی لکیر ابھر کر سامنے آگئی تھی۔

اس کے وجیہہ سفید، بے انتہا سفید چہرے پہ تمازت اتر آئی تھی۔ خوشی، اعتبار اور اعتماد کی تپش سے اس کے رخسار پر حدت ہوچکے تھے۔ کیونکہ فریحہ کے ان الفاظ کا دنیا میں کوئی مول نہیں تھا۔ کوئی قیمت نہیں تھی۔

"میں جانتی ہوں عون! تم کیا تھے! کیا ہو! کتنے سچے تھے، کتنے سچے ہو۔۔۔ میں کل بھی تم پہ اعتبار کرتی تھی آج بھی کرتی ہوں۔" اسے اچانک ہی فریحہ کے اعتبار کا سہارا مل گیا تھا۔

پھر وہ اسے ہر گلٹ سے نکالتی گئی تھی۔ اس کے کرب، تکلیف، اذیت اور بے اعتباری کے لگے ہر ہر گھاؤ اور ہر ہر زخم پہ اعتبار، نرمی، اعتماد، بھروسے کے پھاہے رکھتی گئی تھی اور پھر چند ہی لمحوں میں وہ پرانے عون اور فریحہ بن گئے تھے۔ جیسے بیچ میں کچھ ہوا ہی نا ہو۔ پھر بہت سے لمحے سرک گئے تھے۔ وہ باتوں باتوں میں

پرانا وقت لوٹا لائی تھی۔ وہی باتیں، وہی قصے۔ معاً فریحہ کو کھڑے کھڑے خیال آیا۔ اور یہ خیال محض خیال نہیں تھا۔ وہ لائحہ عمل تھا جو اس کے ذہن نے تیار کر رکھا تھا۔

"عون! میں جانتی ہوں تم پچھلے بہت دن سے کھانا ناشتا باہر سے کرتے ہو۔ گھر والوں سے ناراضی ہے۔ کھانے سے نہیں آئندہ تم ہرگز ہرگز کھانا باہر نہیں کھاؤ گے۔ وعدہ کرو۔" فریحہ کے دھونس بھرے لہجے سے خائف ہو کر وہ ایسے ہی رام ہو گیا تھا جیسے کبھی بہت پہلے ہو جایا کرتا تھا۔

"وعدہ۔" عون نے بڑے تلخ ترین دنوں کی تمام تر تلخی کو جھٹک کر مسکراتے ہوئے وعدہ کر لیا تھا۔ گو کہ مسکرانا بہت مشکل مرحلہ تھا۔ اتنے دنوں کی کشیدگی کے بعد مسکراہٹ کی واپسی کچھ اجنبی بھی لگ رہی تھی لیکن پھر بھی فریحہ نے جو اسے ہفت اقلیم کی دولت دے کر۔ اسے اس کی اپنی نظروں میں سرخرو کر کے خوشی سے نوازا تھا اس مسرت اور زمانے بھر کی خوشی کے سامنے ہر چیز ہیچ اور ہیچ تھی۔

"لیکن ایک شرط بھی ہے۔" عون نے دبے دبے جوش اور سرخوشی سے کہا۔

"کون سی شرط؟" فریحہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹک گئی تھی۔

"پہلے کی طرح ناشتا اور کھانا تم بناؤ گی۔"

"صرف بناؤں گی نہیں، تمہیں کھلاؤں گی بھی۔"

اس نے اپنی بات پہ زور دیا تھا۔ عون نے کچھ کر اثبات میں سرہلایا تھا۔ پھر وہ مسکراتی ہوئی فریحہ کو دیکھنے لگا۔ جو ہاتھ میں موجود کلیوں کو اس کی سمت بڑھا رہی تھی۔

"اپنے کمرے میں رکھ لینا۔" اس نے یاد دہانی کروائی۔

"تم خود رکھ دینا۔ پہلے بھی تو رکھتی تھیں۔ اور اس بات کو کوئی لمبا عرصہ بھی نہیں گزرا۔" عون نے سادگی بھری دھونس سے کہا تھا۔ فریحہ نے کچھ سوچ کر حامی بھری تھی۔ پھر اک نظر سبز دریچے پہ ڈالی۔ جس کی کھڑکی پہ سفید پھولوں کی بیلیں لدی تھیں۔ اور وہاں پہ ایک چمکتا ہوا وجیہہ چہرہ بھی جھانک رہا تھا۔ اور اس چہرے پر تعجب، حیرانگی اور دبے دبے غصے کے آثار واضح دکھائی دے رہے تھے۔ فریحہ نے ہونٹوں کے کناروں سے چھلک پڑتی مسکراہٹ کو دبا کر عون کی طرف دیکھا تھا۔ وہ تھوڑا سا گھٹنوں کے بل جھکتا ہوا فریحہ کے ہاتھ سے سفید کلی کو تھام کر بڑی عقیدت مندانہ اور تشکرانہ نظر کے ساتھ اس کی طرف موتیے کی کلی بڑھاتا ہا بہت ملائمت سے بولا۔

"مجھ پہ اعتبار کرنے کا شکریہ فریحہ!"

✡ ✡ ✡

سبز دریچے سے جھانکتے اس چہرے کی آنکھوں میں غصے اور ناگواری کے شعلے اڑ اڑ کر نکل رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سارے کا سارا غیض ابلتا ہوا باہر نکل آئے گا۔

اس کے چہرے پہ خفیف سی سرخی چھا رہی تھی جو پرحدت کراہت میں بدلتی چلی گئی تھی۔ اس نے زور دار دھماکے کے ساتھ کھڑکی کے دونوں پٹ بند کر دیے تھے۔ وہ مٹھیاں بھینچتی روم میں ٹہلنے لگی۔ رہ رہ کر وہی منظر آنکھوں کے سامنے عکس بنا رہا تھا۔ جس نے اچانک ماہ رو کو چابک مارنے جیسی تکلیف اور اذیت سے گزارا تھا۔

ٹہل ٹہل کر وہ اپنا غصہ نکال رہی تھی۔

"میرے ساتھ ایک دن بھی مسکرا کر بات نہیں کی۔ ہنس کے نہیں دیکھا۔ نرمی سے نہیں بولا۔ اور اس سابقہ منگیتر سے کیسے ہنس ہنس کر بات کر رہا تھا جیسے عمر بھر کے لیے ساری مسکراہٹیں اسے دے دینا چاہتا ہو۔ مجھ سے تو بات کرنا بھی گوارا نہیں۔" وہ چلتے چلتے اونچی آواز میں بڑبڑا رہی تھی۔

"اور اسے پھول دے رہا تھا۔ اور مجھے ایک گجرا نہیں لے کر دیا۔ ایک پتی تک نہیں دی گلاب کی اور اسے مسکرا کر موتیے کی کلیاں دے رہا تھا۔ اس قدر تعظیم کے ساتھ جیسے وہ دیوی ہو۔ اس کے چرنوں میں بیٹھنے کی کسر رہ گئی تھی۔" وہ کلس کلس کر خاک ہو رہی

تھی۔ بار بار غصے کے عالم میں بالوں کو جھٹکتی تو لمبے بالوں میں لہریں سی اٹھنے لگتیں۔

"میرے سامنے ہنستے ہوئے آگ لگ جاتی ہے۔ کنجوس' بھوکا۔۔۔ ہنس بھی نہیں سکتا۔" اس نے آنکھوں کو مسل مسل کر بمشکل دیکھا۔ پھر بھی کچھ گیلا گیلا محسوس ہو رہا تھا۔ معاً" دروازہ کھلا اور عون گنگناتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے چہرے پہ ایک الوہی سی مسکراہٹ تھی۔ جسے دیکھ کر وہ اندر تک جل گئی۔

"اتنے دن سے سڑا ہوا منہ بنا رکھا تھا۔ آج فریحہ کیا نظر آ گئی۔ منہ سے پھول گر پڑے۔" وہ اب بھی گنگنا رہا تھا اور مقام حیرت یہ تھا' ماہ رو کو دیکھ کر بھی اس کی گنگناہٹ ختم نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ تو اس کی شکل پہ نظر پڑتے ہی عون کی تیوریاں چڑھ جاتی تھیں۔ اور آج یقیناً "یہ" مسکراہٹیں اور گنگناہٹیں فریحہ کے طفیل نظر آ رہی تھیں۔ فریحہ کو دیکھ کر تاثرات خوشگوار ہو گئے تھے جیسے موسم بہار آیا ہو۔ یا صحرا میں پھول کھل گئے ہوں۔ جانے فریحہ نے کانوں میں کیا اسم پھونکا تھا۔ عون تو لمحوں میں سراپا خوشگواریت کا مرقع بن چکا تھا۔ آخر فریحہ کے سوگواریت اور غم کے دن تمام ہو گئے تھے۔ پھر گوشہ نشینی بھی ختم ہو گئی۔ اب وہ فارم میں آ رہی تھی اور یہ ماہ رو کے لیے خوشگوار عمل نہیں تھا۔

اتنے دنوں کے غیض و غضب کے بعد یہ انداز قاتلانہ دل دھڑکانے کے مترادف تھے۔ وہ جو ایک ٹک عون کو دیکھے جا رہی تھی اچانک اس کے رخ روشن کو اپنی طرف مڑتا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ پھر ذرا گڑبڑا کر اس نے نگاہیں پھیری تھیں۔

"نظر لگانی تھی کیا؟" اس نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"نہیں تو۔" وہ گڑبڑائی۔

"تو پھر مجھے گھورنے کا مطلب؟" وہ بال کی کھال اتار دیتا تھا۔ ماہ رو نے بھی چند لمحے سوچا تھا۔ پھر جیسے دل کی جلن زبان پر آ گئی تھی۔

"میں تو اس مسکراہٹ کی وجہ معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔" اس نے کچھ دیر پہلے والے منظر پہ چوٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔ تولیے سے پسینہ پونچھتا گردن اور چہرہ رگڑتا عون کچھ چونک گیا۔

"جیسے میں تو بڑا تمہیں بتا دوں گا۔" اس نے گہرا طنز کیا۔

"بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ جو کچھ آنکھوں سے خود دیکھ لیا جائے۔" وہ بھی نہ چاہتے ہوئے تلخ سی ہو گئی تھی۔ ابھی تک وہی منظر آنکھوں میں چبھ رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا۔ عون کی وہی مسکراہٹ نوچ کھسوٹ لے۔ جو کچھ دیر پہلے ماہ رو کو جلا کسلا رہی تھی۔

"او۔۔۔ تو کیا دیکھا تم نے۔" وہ کپڑے اٹھا کر واش روم کی طرف جاتے جاتے مڑ آیا تھا۔ دل تو نہیں چاہ رہا تھا صبح صبح اسے منہ لگانے کو لیکن پھر بھی۔۔۔ جواب لینا ضروری تھا۔

"جو تم دکھانا چاہ رہے تھے بلکہ خاص طور پہ فریحہ۔" اس نے چبا چبا کر کہا تھا۔ عون کی آنکھوں میں ترشی سی ابھر آئی تھی۔

"فریحہ کا کیا ذکر؟" اس نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔ "اور تمہیں شرم نہیں آئی فریحہ کا نام لیتے ہوئے۔"

"تمہیں شرم آئی فریحہ کو موتیے کی کلیاں دیتے ہوئے اتنے رومانٹک ہو رہے تھے۔ میرے ساتھ تو کبھی رومانس نہیں کیا۔" وہ غصے کی انتہا پہ الٹا سیدھا بولنے لگی تھی۔ یوں کہ عون۔ کے غصے کا گراف کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ پھر اچانک پارہ چڑھتے چڑھتے نیچے آ گیا۔ پہلے تو اس نے ماہ رو کے الفاظ پہ غور کیا تھا۔ پھر بلند آواز میں لاحول پڑھا۔

"او۔۔۔ تو تمہیں رومانس چاہیے۔" لمحہ بھر میں ہی اس کی تیوریوں کے سارے بل کھل گئے تھے۔ بھنویں نارمل ہو گئیں۔ غصے کا گراف گرتا گرتا بالکل ختم ہو گیا تھا۔ پہلی مرتبہ ماہ رو کو یوں لگا تھا جیسے عون نے اس کی بات کو انجوائے کیا ہے۔

"میں نے یہ کب کہا میں تو۔۔۔" ماہ رو گڑبڑا گئی تھی۔ عون نے بے ساختہ اس کی بات کاٹ دی۔ وہ اسے بولنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔

"مکرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہارے الفاظ

دہرا بھی سکتا ہوں۔" وہ بھی عون عباس تھا۔ اپنے نام کا ایک ہی نکلتے اور لفظ تک پکڑ لیتا تھا۔ ماہ رو کو تو اندازہ ہی نہیں تھا۔ کس ٹیڑھے بندے کے ساتھ اس کا پالا پڑا ہے۔

"اور تم میرے الفاظ کو مت پکڑو۔ جملے کے پہلے حصے پہ غور کرو۔" ماہ رو بھی موقع گنواتی نہیں تھی۔ فوراً جتا کر بولی۔

"تم فریحہ کے ساتھ اتنے رومانٹک کس خوشی میں ہو رہے تھے؟" اس کے دوبارہ دہرانے پہ عون کا موڈ پھر سے بگڑ گیا۔

"میں تمہیں جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔"

"کیوں جواب نہیں دو گے۔ میں بیوی ہوں تمہاری۔" ماہ رو کا ازلی غصہ اور اعتماد عود آیا تھا۔ حالانکہ اس نے سوچ رکھا تھا وہ عون سے کبھی بھی بحث میں نہیں پڑے گی مگر صبح سویرے کے اس منظر نے اس کے اندر آگ بھر دی تھی۔ وہ ذرا بھی برداشت نہیں کر سکی۔

"نام نہاد۔" عون نے اس کی اوقات یاد دلائی۔

"زبردستی کی بیوی۔"

"چاہے جو بھی سمجھ لو۔۔۔ دنیا والوں کی نظر میں تو ہوں۔" ماہ رو نے اپنی بات پہ زور دے کر کہا۔

"تمہاری بیوی۔"

"تو پھر دنیا والوں کی نظر میں ہی رہو۔ مجھ سے کیا پوچھتی ہو؟ انہی سے سوال کرو، جن کی نظر میں تم میری بیوی ہو۔" اس نے اطمینان سے بالوں میں ہاتھ پھیرے تھے۔ جیسے ماہ رو کو جلا کر بہت لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے تو اندازہ ہی نہیں تھا۔ ماہ رو کو اس انداز میں ٹارچر کرنے کا الگ ہی مزا تھا۔ اسے اذیت دینے کے نئے نئے طریقے تو اب سامنے آ رہے تھے۔

"تم بات کو گھماؤ مت۔ میں فریحہ کی بات کر رہی ہوں۔" ماہ رو نے چڑ کر صوفے کے کشن اٹھا اٹھا کر نیچے مارے تھے۔ وہ اپنا غصہ کسی طرح سے باہر نکالنا چاہتی تھی۔ تب واش روم کی طرف بڑھتا عون اس کی طرف دیکھے بغیر انتہائی سرد لہجے میں بولتا اندر چلا گیا تھا۔

"فریحہ کا نام بھی مت لو۔" اس کی آواز دھیمی مگر لہجہ برف کی طرح سے ٹھنڈا تھا۔ ماہ رو کے تکیہ دبوچتے ہاتھ لحہ بھر کے لیے رکے تھے پھر اس نے تکیہ اٹھا کر غصے کے عالم میں واش روم کے دروازے سے دے مارا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور پھر ناموافق ہواؤں کی ایسی پون چلی کی رکی ہی نا۔۔۔ دنوں اور ہفتوں میں ایک مرتبہ پھر فریحہ کا طوطی بولنے لگا تھا۔ ہر جگہ فریحہ فریحہ ہونے لگی۔ ہر کام کے لیے فریحہ کو آواز دی جاتی۔ اور فریحہ بھی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو جاتی تھی۔ ہر ایک کے لیے ہر دم تیار۔ ہر ایک کی خدمت کے لیے کمربستہ جیسے سارے زمانے کے کام اسی کے ذمے ہوں۔ گھر والوں نے فریحہ کو نارمل کنڈیشن میں دیکھا تو اندر ہی اندر مطمئن ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ پھر گھر کے حالات معمول پہ آ چکے تھے۔ اور پھر فریحہ کے مزاج بھی۔ وہ سب کے ساتھ نارمل ہو گئی۔ ہنستی کھیلتی، مسکراتی، محفل میں حصہ لیتی۔

اور ایک نہ رکنے والی روٹین لائف کی شروعات نے ہر ایک کو خاصا مصروف کر دیا تھا۔ پھر بھی رات کو دیوان عام میں لمبی محفل سجتی تھی۔ قہقہے، ہنسی، بیت بازی، شغل، ہنگامہ۔

فریحہ کو چھوڑ کر ماہ رو کے سب سے اچھے تعلقات تھے۔ بس فریحہ اور اس کی امی کے علاوہ۔ یہ دونوں ماہ رو کو گھاس نہیں ڈالتی تھیں اور ماہ رو بھی چونکہ گھاس چرتی نہیں تھی۔ اسی لیے ان کی پروا بھی نہیں کرتی تھی۔ وہ جیسے مرضی رہتیں اس کی بلا سے۔ لیکن یہ کہنے کی حد تک آسان تھا۔ وہ تب تک ہی لاپروا رہ سکی تھی جب تک فریحہ اپنے تایا، تائی اور کزنز تک محدود تھی۔ جب اس کی عنایات کا دائرہ کچھ اور پھیل کر بڑھا تب ماہ رو کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اور وہ تھی ہمہ وقت ہر ایک کی خدمت کے لیے تیار۔۔۔ کبھی تایا کی

آواز پڑتی۔

"فری! کڑک سی چائے لاؤ۔ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی۔۔۔ مزہ آجائے۔" اور فریحہ صاحبہ کسی جن کی طرح فٹافٹ مزے دار قسم کی چائے لے آتی تھیں۔ ایسی خوشبودار کہ حلق سے مہک تک آنے لگتی۔

لاکھ عداوت کے باوجود ماہ رو کو تسلیم کرنا ہی پڑا تھا کہ فریحہ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔

گو کہ کھانا ثنا اور مریم بھی بہت اچھا پکاتی تھیں مگر جس دن فریحہ کوکنگ کرتی اس دن گھر کا کوئی بھی مرد تین ٹائم کا کھانا مس نہیں کرتا تھا اور باہر کے کھانے سے زیادہ گھر کے کھانے کو ترجیح دیتا۔ کیونکہ صحیح معنوں میں فریحہ کے ہاتھ کا کھانا کھا کر انگلیاں چاٹ لینے کو دل کرتا تھا۔

پھر ماہ رو کو اندازہ ہوا تھا کہ فریحہ پہ گھر کی بہت ذمہ داریاں تھیں، جو اس نے بخوشی اٹھا رکھی تھی۔ اس کے امی، ابا کا کام اتنا ہوتا نہیں تھا۔ زیادہ پھیلاوا تایا تائی کا ہوتا اور فریحہ بھی زیادہ وقت انہی کے ساتھ بتاتی۔ جس میں بہت سے تائی کے کام نمٹا دیتی۔

صفائی ستھرائی سے لے کر دھلائی، پکوائی سارے کام فریحہ کے ذمہ تھے۔ گو کہ کھانا پکانے سے لے کر دیگر کاموں تک باریاں بنی ہوئی تھیں۔ ہر کام باری سے ہوتا۔ ثنا، مریم اور فریحہ ہر روز باری سے کوکنگ کرتی تھیں۔ جس دن فریحہ کی باری کوکنگ کی ہوتی تھی۔ اس دن مریم صفائی کرتی، ثنا مشین لگاتی۔ جس دن ثنا کی باری کوکنگ کی ہوتی اس دن بھی باقی کام مریم اور فریحہ میں تقسیم ہو جاتے تھے۔

کیونکہ نوکر کا اس گھر میں رواج نہیں تھا۔ اور نوکرانی اس لیے نہیں رکھی جاتی تھی کہ گھر کی باتیں باہر نوکروں کے ذریعے نکلتی تھیں سو تایا کو پسند نہیں تھا کہ گھر میں کوئی ملازمہ رکھی جائے۔

چونکہ گھر کی مستورات کافی ایکٹو تھیں اس لیے کاموں کا کبھی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ اوپر سے فریحہ جیسی چست اور سگھڑ لڑکی کے ہوتے پرابلم کیا تھی۔

وہ تایا کے گھر کا ہر ہر کام اپنا سمجھ کے کرتی تھی۔

چونکہ ایک جگہ رہائش تھی سو صفائی تک اکٹھی ہو جاتی۔ اور اوپر کے کام فریحہ کے ذمے تھے۔

ثنا اور مریم اپنے اپنے شوہروں کا کام احسن طریقے سے انجام دے لیتی تھیں۔ تائی کے باقی بیٹوں کا ہر کام فریحہ کے کندھوں پہ تھا۔ عون، عاشر، یاسر، عامر کے کپڑوں کی دھلائی، ان کے کمرے کی صفائی۔۔۔ کپڑوں کو استری کرنا الماریوں میں پہنچانا۔۔۔ یہ سب کام فریحہ کرتی تھی۔ کائنات کے اوپر ابھی کوئی بوجھ نہیں تھا۔ اور نہ فریحہ کائنات کو کسی کام کے لیے بلوانے دیتی تھی۔ وہ خود جو آگے آگے تھی۔

یہاں تک کہ اس کی خدمات کو دیکھ کر تایا یہ تک کہنے پہ مجبور ہو جاتے۔

"عون میری فریحہ کے قابل ہی نہیں تھا۔ اس کے لیے تو میں نے کچھ اور سوچا تھا۔" اور جب وہ فریحہ کی سر پہ ہاتھ رکھ کر یہ الفاظ دہراتے تب وہ تکلیف کی شدت سے آنکھیں میچ لیتی تھی۔

"آپ کو کیا خبر تایا! عون ہی تو میرے قابل تھا۔ مجھے کسی اور کی چاہ نہیں تھی۔" فریحہ کے اندر تک اذیت کا زہر بھر جاتا تھا۔ اور وہ دانت پیس کے ہونٹ چبا چبا کر ماہ رو کو دیکھتی اور گھورتی تھی۔ کبھی کبھی ماہ رو نیل فائل کرتی، میگزین دیکھتی، فیشن شو انجوائے کرتی، اس کی نظروں سے سخت خائف بھی ہو جاتی تھی۔

"اف کیسی تیکھی نظریں ہیں۔۔۔ پہلے تو ایسے نہیں دیکھتی تھی۔" ماہ رو گھبرا سی جاتی تھی۔ اسے یہ پتا ہونا چاہیے تھا کہ پہلے حالات ایسے نہیں تھے اور نہ وہ اس کی جگہ یہاں موجود تھی۔ نہ تب اس نے فریحہ کی شادی تڑوائی تھی۔ یوں ہی فریحہ نے ایک مرتبہ پھر اپنی پوزیشن اس گھر میں بلکہ اپنے ہی گھر میں مضبوط کرلی تھی۔ جس طرح شادی ٹوٹنے سے پہلے مستحکم تھی۔

اب بھی صبح صبح فریحہ کے نام کی پکار کانوں میں پڑتی تو دل چاہتا کانوں میں روئی ٹھونس لے۔ تکیہ سر کے اوپر رکھ لے۔ منہ کسی گدے میں گھسالے۔

یاسر، عاشر، عامر چیخ چیخ کر فریحہ کو صبح صبح آواز لگاتے۔

"فریحہ! میری ٹائی؟"

"فریحہ! میرا بیگ؟"

"فریحہ! میری بکس؟"

پھر جب ان آوازوں میں ایک اور آواز بھی شامل ہونے لگی تب صحیح معنوں میں ماہ رو کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ دماغ تیز ہوا تھا اور ہاتھوں پیروں میں حرکت آگئی تھی۔

وہ جو گھر کے ہر کام ہر مصروفیت اور ہر قسم کے معمولات سے الگ تھلگ تھی ایک دم چونک سی گئی گو کہ عون کی امی خود اسے ہر کام سے دور رکھتی تھیں لیکن ماہ رو کو لگ رہا تھا۔ یہ دوری کسی لمبی دوری کا شکار نہ ہو جائے۔ کیونکہ فریحہ نے ہر ایک کی روٹین پہ اپنے نام کا سکہ جما لیا تھا۔

پھر جاب چھوڑ کر تو اس نے تایا اور تایا زاد (عون) کا دل جیت لیا تھا۔ وہ آتے جاتے کئی مرتبہ جتاتا۔ خوش بھی ہوتا۔ اور فریحہ اس کی توجہ پا کر کھل کھل کے گلاب ہو جاتی تھی۔ اور تب ماہ رو کا دل جل جل کے خاک ہو جاتا۔ ایسی ہی کئی طرح کی انتہائی قابل اعتراض (ماہ رو کی نگاہ میں) صورت حال پہ ماہ رو اپنے صبر اور برداشت کی حد کراس کر کے عون سے لمبی لمبی لڑائیاں کر چکی تھی اور بجائے عون وضاحت دینے کے شرمندہ ہونے کے الٹا شیر بن کر اسے دہاڑتا اور بھگو بھگو کر مارتا۔

"بقول تمہارے ڈیڈ کے میں تو ہوں ہی برا' بد' بدنام .... سو' مجھے اپنی خوبیوں پہ بڑا ناز ہے۔ اور یہ الفاظ میرے لیے اعزاز ہیں.... میں جو ہوں جیسا ہوں۔ اچھا ہوں تم جو مرضی کہو۔"

"میں تمہارے ابو کو بتاؤں گی۔" وہ زچ ہو کر چڑ کر اسے دھمکاتی تھی۔

"بڑے شوق سے۔ وہ آل ریڈی مجھے' کمینہ کہتے ہیں۔" عون کو جیسے پرواہی نہیں تھی۔ فریحہ نے اسے منہ کیا لگا لیا تھا وہ پہلا والا سارا غصہ لڑائی' غیض' ناراضی سب کچھ بھول بھال کے محض طنز کے تیر چلاتا۔ اسے جلاتا' کلساتا' طعنے مارتا سب کے سامنے ذلیل کرتا تھا۔

اور یہ تو ماہ رو کو بہت بعد میں پتا چلا تھا۔ شادی کے اولین دنوں کا غیض غضب' دکھ' غصہ محض فریحہ کے سمجھانے' بجھانے اور "برین واشنگ" کرنے کے بعد ذرا ہلکا پڑ گیا تھا۔ کیونکہ کسی اور کی بات سمجھتا یا نہ سمجھتا' فریحہ کی بات ضرور سمجھ لیتا تھا۔ مان بھی لیتا تھا اور عمل بھی کر لیتا تھا۔

اور ابھی تو اسے یہی خماری بہت تھی کہ فریحہ نے اسے ناکردہ جرم کی سزا نہیں دی تھی۔ اس پہ اعتبار کیا تھا۔ اس کا اعتماد بحال کیا تھا۔ اور وہ ایک مرتبہ پھر اپنے گھر والوں کے سامنے گردن تان کے چل سکتا تھا۔

✡ ✡ ✡

جو کام دماغ کر سکتا تھا اس کے لیے ہتھیار کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

اور جو کام ذہن کر سکتا تھا۔ ذہانت کر سکتی تھی اس کے لیے حسن کی بھی قطعاً" ضرورت نہیں تھی۔ سو فریحہ نے اپنی ذہانت سے وہ کام کر لیا تھا جو ماہ رو کا شعلہ بیاں' ضوفشاں حسن بھی نہیں کر سکا۔ فریحہ نے بڑے طریقے سے' عقل مندی سے' سمجھ داری سے عون کے گرد اپنا حصار کھینچ لیا تھا۔ ایسا حصار جو عام لوگوں کو کبھی دکھائی نہ دیتا اور شاید ماہ رو کو بھی کبھی دکھائی نہ دیتا۔ اگر اسے ثنا متوجہ نہ کرتی۔ ورنہ ماہ رو میں ایسی سمجھ بوجھ ہرگز نہیں تھی۔ اپنی عقل سے وہ کام نہیں لیتی تھی اور سمجھ داری اس میں سرے سے تھی ہی نہیں۔

عون کے معمولات اور زندگی پہ فریحہ کی بڑھتی ہوئی اجارہ داری کو دیکھ کر کوئی اور چونکتا یا نہ چونکتا ثنا ضرور چونک گئی تھی۔ کیونکہ اس سویر بھی ماہ رو ابھی اپنی روٹین کے مطابق گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہی تھی جب ثنا اس کے روم میں آگئی۔ گو کہ وہ اتنی صبح کبھی اس کے کمرے میں نہیں آئی تھی۔ لیکن اس دن الگ بات تھی۔

پھر ثنا کو ماہ رو کی نیند توڑتے ہوئے دانتوں پسینہ آگیا

تھا۔ ایسی ڈھیٹ نیند اس نے عمر بھر کسی کی نہیں دیکھی تھی۔ اور واقعی اسے عون کی بات پہ یقین آگیا تھا۔ جو وہ امی کو اونچی آواز میں بتا رہا تھا۔

"اسے جگا لینے کا کارنامہ سرانجام دینے والا ایوارڈ کا حق دار ہے.... اس ڈھیٹ کی ڈھیٹوں جیسی نیند ہے۔" اور ابھی ثنا کو واقعی عون کے تبصرے پہ یقین آ گیا۔

جب وہ اس کو جگانے میں ناکام ہو گئی تب اس کے بجتے سیل کو اٹھانا پڑا تھا۔ ماہم کالنگ لکھا آرہا تھا۔ ثنا نے کال پک کرلی تھی۔ پھر حال احوال پوچھ کر اس نے ماہ رو کا پوچھا۔ ثنا کی پریشانی کو سن کر ماہم بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ پھر اس نے ماہ رو کو جگانے والا ٹرک بتا دیا تھا جسے اپلائی کرتے ہی ماہ رو بے ساختہ اٹھ گئی تھی۔ اس کے پیروں پہ ٹھنڈا پانی ڈالنے کی دیر تھی وہ اسپرنگ کی طرح اچھل پڑی تھی۔ پھر جیسے ہی حواس ٹھکانے آئے ثنا نے مزید اس کے طبق روشن کیے تھے۔

"اٹھو اور باہر آؤ۔ اپنے شوہر کو ناشتا کراؤ.... وہ پھر کسی مہم پہ نکلنے والا ہے.... اور ابو کو سخت غصہ تھا۔ کیونکہ عون آج کل پلازہ بالکل نہیں جارہا۔" ثنا نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے اور بھی تفصیلات بتائی تھیں جنہیں وہ با آسانی سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بالکل سیدھی پریشان اور کچھ کچھ گھبرائی۔

"عون کہاں جاتا ہے؟"

"یہ تو تمہیں پتا ہونا چاہیے۔ آخر تم اس کی بیوی ہو۔" ثنا نے اسے گھرک کر کہا۔

"لیکن مجھے نہیں پتا۔" وہ گھبرائی تھی۔

"تو پھر فریحہ سے پوچھ لو۔ اسے تو پوری خبر ہوگی۔" ثنا نے طنز کیا۔

"وہ فریحہ کو بتاتا ہے مجھے نہیں۔" وہ اداس ہوئی تھی۔ ثنا نے جیسے سر پیٹ لیا۔

"اور یہ تمہاری کمزوری ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" ماہ رو ہونق سی ہو گئی تھی۔

"ایک بیوی کو کیا کرنا چاہیے؟" ثنا نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ تب وہ تھوڑا جھینپ کر مسکرائی تھی۔

"مجھے نہیں پتا؟ پہلا تجربہ ہے۔"

"اور ہمارے تو چوتھے چوتھے تجربے ہیں نا گھامڑ! محبت کرلی۔ اسے سنبھالنا نہ آیا۔" ثنا نے اس کی اچھی خاصی کلاس لے لی تھی۔

"تو پھر کیا کروں؟" ماہ رو کوئی مخلصانہ مشورہ چاہتی تھی اور ثنا نے اسے بڑے کام کے اچھے اچھے مشوروں سے نوازا تھا۔ جس میں شوہر کو سمجھانا، محبت سے گھائل کرنا اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے بہت سے طریقے تھے۔

ماہ رو نے ایک ایک بات سمجھ لی تھی۔ لیکن لبھانے اور گھائل کرنے کی نوبت آنے سے پہلے ہی عون نے اس کی لمبی سی کلاس لگائی۔ جس میں اسے ہڈ حرام، کام چور، کاہل، سست اور نجانے کیا کیا کہا گیا تھا۔ عون نے اپنی امی سے کہا۔

"آپ اس کو کچن میں گھسائیں۔ کھانا پکوائیں۔ کام سے لگائیں اسے۔ اگر آپ یہ کام نہیں کرسکتیں تو میں بہت اچھی طرح سے کام کروانا جانتا ہوں۔ یہ مہارانی پلنگ توڑ توڑ کر نہیں تھکتی۔ اور اس کے حصے والے کام فریحہ کو کرنے پڑتے ہیں۔ اور مجھے بہت برا لگتا ہے۔"

اس وقت فریحہ بھی وہاں موجود تھی اس نے فوراً بھرائی آواز میں سب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

"تمہیں کیوں برا لگتا ہے؟ کیا میں پہلے تمہارے، عاشر یاسر کے کوئی کام نہیں کرتی تھی۔" اس کی جذباتی بلیک میلنگ نے عون اور تائی کو شرمندہ کردیا تھا۔

"میری بات کا یہ مطلب نہیں۔" عون گڑبڑا گیا۔

"مطلب جو بھی ہو۔ کیا میرا حق تم پہ ختم ہو گیا۔" وہ رو رہی تھی۔ تائی اور عون گھبراتے رہے۔

"ہرگز نہیں۔" عون نے بوکھلا کر کہا۔

"تو پھر مجھے مت روکو.... مجھے تمہارا اور باقی سب کا کام کرکے دلی سکون ملتا ہے۔" فریحہ کے سوں سوں کرتے لہجے پہ ماہ رو کو اس کی ڈرامہ بازی اور ایکٹنگ پہ یقین آگیا۔

"کیا پتا وہ خود کو مصروف رکھنے کے لیے کام کرتی ہو۔ مجھے غلط نہیں سوچنا چاہیے۔"

✿ ✿ ✿

"تمہارے کام کا کیا بنا؟" عون کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے فریحہ نے بڑی ملائمت اور کسی حد تک تفکر سے پوچھا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ پلازہ نہیں جارہا تھا۔ وہ کہاں جارہا تھا؟ صرف فریحہ کو پتا تھا۔ گھر میں کوئی اور نہیں جانتا تھا۔ اور نہ ہی عون نے کسی اور کو بتایا تھا۔ وہ پہلے کی طرح بس فریحہ تک محدود ہو چکا تھا۔

تایا بھی عون کے نہ آنے پہ شدید غصے میں تھے اور اسی بات پہ گھر میں خوب لڑائی ہو رہی تھی۔ تایا نے اعلان کر دیا تھا۔

"تم نے اپنے حصے کا کام نہ کیا تو ایک دھیلا بھی نہیں دوں گا۔ جو کام کرے گا وہی پیسے لے گا۔" اور تب عون نے انہیں بڑے ٹھوس انداز میں بتایا۔

"تو نہ دیں۔ مجھے ضرورت بھی نہیں۔۔۔ میں جاب ڈھونڈ رہا ہوں۔"

اس وقت تایا اور عون کی پھر لڑائی ہوئی تھی اور جو بڑھتے بڑھتے اس نوبت تک بھی لے گئی تھی جس تک فریحہ کا تصور بھی نہیں تھا۔ لیکن اس سے پہلے یوں ہوا۔

فریحہ بڑی بے چینی سے عون کی جاب کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ روزانہ جاتا اور روزانہ ناکام لوٹتا تھا۔ لیکن اس دن عون کا چمکتا چہرہ اس کی کامیابی کا پیغام دے رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اور اپنی خوشی سب سے پہلے فریحہ تک پہنچا رہا تھا۔ سب سے پہلے فریحہ کو بتا رہا تھا۔

"جاب مل گئی اور بہت اچھی مل گئی۔۔۔ میری توقع سے بھی بڑھ کے۔" عون نے بڑے شگفتہ لہجے میں کہا تھا۔

"دیکھ لو' میری دعاؤں کا نتیجہ۔" فریحہ یہاں بھی کریڈٹ لیے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ عون نے بھی اسے پورا کریڈٹ دے دیا تھا۔

"آف کورس۔" وہ مسکرا دیا تھا۔ اور اس دن عون نے بڑی ہی رغبت سے کھانا کھایا۔ ہال کے دروازے میں اچانک آتی ماہ رو ٹھٹک گئی تھی۔ عون کی مسکراہٹ اور فریحہ کے فدویانہ انداز اس کے اندر جلاپا سلگا گئے تھے۔ اس کا دماغ جیسے گھوم گیا تھا۔ وہ الٹے قدموں بھاگتی ہوئی واپس چلی گئی تھی۔ اور اس کے دماغ میں سوچوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔

"یہ فریحہ بھی نا ہر جگہ' ہر وقت' ہر لمحے۔۔۔ کیا یہ عون کو پھر سے تو نہیں لبھا رہی؟" شک کا کالا ناگ پھن پھیلاتا آیا تھا۔ اور ماہ رو کو پوری شدت کے ساتھ ڈس گیا۔ وہ جیسے نیل نیل ہو گئی تھی۔ اسے کیا کرنا چاہیے تھا؟ اسے فریحہ کو کیسے روکنا چاہیے؟ صبح تک وہ پوری پلاننگ کر چکی تھی۔

اگلی صبح الارم نے نہیں بلکہ ثنا نے اسے پانی کے ٹھنڈے چھینٹوں والے حربے سے جگا لیا تھا۔ پھر اشارے سے اسے باہر کھینچ کر لے آئی۔ عون برابر ہی بیڈ پہ سو رہا تھا۔ کیونکہ اب وہ صوفے سے بیڈ پہ منتقل ہو چکا تھا۔ ماہ رو آنکھیں ملتی ثنا کے ساتھ ہی کچن میں آ گئی تھی۔ کچن میں گرما گرم ناشتا تیاری کے آخری مراحل میں تھا۔ چنے پک چکے تھے۔ پراٹھے بیلنے تھے اور آملیٹ کا آمیزہ بھی بنا ہوا تھا۔

رات کو ماہ رو کے رونے دھونے سے متاثر ہو کر ثنا نے بڑی اچھی سی تجویز دی تھی جو ماہ رو کو بھی پسند آ گئی۔ چونکہ پکانا تو اسے آتا نہیں تھا۔ البتہ وہ سرو ضرور کر سکتی تھی۔ ثنا نے اسے یہی کہا تھا کہ وہ احتیاط سے سرو کرے اور عون کو کھانے پہ مجبور بھی کرے۔

کچھ ہی دیر میں چنے بھی تیار ہو گئے تھے۔ ماہ رو نے انہیں شیشے کی رکابی میں ڈال لیا تھا۔ ثنا پراٹھے تل رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ ماہ رو کو سمجھا رہی تھی۔

"اب لگ رہی ہو عون کی بیوی۔۔۔ جب تک بیوی بن کر نہیں دکھاؤ گی وہ تمہیں بیوی نہیں سمجھے گا۔" ثنا کی ہر نصیحت ماہ رو دھیان سے سنتی تھی اور اب عمل کرنے کا بھی پکا ارادہ کر لیا تھا۔ کیونکہ اب اسے لگ رہا تھا کہ ناؤ کسی بھی لمحے طوفانی موجوں کی زد میں آ کر غرق

ہو سکتی تھی۔

فریحہ کا عون کی طرف بڑھتا حصار اور عون کا نظر آتا چونکا تا التفات ماہ رو کا دل بری طرح سے دھڑکا گیا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اسے ہاتھ پیر ہلا لینے چاہیے۔ اس کے لیے وہ کیا کر سکتی تھی؟ وہی کچھ جو فریحہ کر رہی تھی؟ اور جس سے فریحہ نے گھر کے ایک ایک فرد کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ عون کو بھی باندھ رکھا تھا۔ عون کو سگھڑ لیا پسند تھا۔ ماہ رو نے سگھڑ بننے کا عہد کر لیا تھا۔ کام مشکل تھا۔ لیکن اتنا بھی نہیں۔ اور جب انسان کچھ بھی کرنے کا ارادہ کر لیتا تھا۔ پھر تو کوئی رکاوٹ، رکاوٹ نہ رکھتی۔

اور اس وقت تا ایک اچھی سی ٹرے سجا کر اسے روم کی طرف بھیج رہی تھی۔ ٹرے میں عون کا من پسند ناشتا سجا تھا۔ چنے، پراٹھے اور چیز آملیٹ۔

ماہ رو جب کمرے میں آئی تو عون نہ صرف اٹھ چکا تھا بلکہ جاب پہ جانے کے لیے تیار بھی ہو چکا تھا۔ اب یقیناً" وہ ناشتا کرنے باہر جاتا۔ لیکن آج کچھ انوکھا ہو گیا تھا۔ عون کا ناشتا کمرے میں آ گیا۔ وہ ناشتے کو دیکھ کر تو نہیں البتہ لانے والی کو دیکھ کر ایسا دنگ ہوا کہ کیا ہی کہنے... اس کا منہ بھی تھوڑا کھل گیا... اور پھر اس نے۔

"او میرے اللہ! میرے معدے پہ رحم کرنا۔" جیسے الفاظ کہہ کر ماہ رو کو ذرا خفا کر دیا تھا۔

"بہت اچھا ناشتا لائی ہوں۔" اس نے ٹرے سینٹرل ٹیبل پہ رکھ دی تھی۔ عون نے کھڑے کھڑے ہی ٹرے پہ نگاہ ڈالی۔

"اچھا... تو رومانس کے حصول کی خاطر اب یہ حربے آزمائیں جائیں گے؟" اس نے بڑی معصومیت سے پچھلی بات کا حوالہ دے کر طنز کیا تھا۔ بڑا لطیف سا طنز تھا۔ ایسا دل جلانے والا لہجہ نہیں تھا۔ ماہ رو نے لمبی سی جمائی کو بمشکل عون کے سامنے روکا تھا۔ پھر ذرا خفگی سے کہا۔

"اگر رقیب یہ کام کر سکتے ہیں... التفات کے حصول کے لیے تو پھر میں کیوں نا کروں؟" عون اس

کے جواب پہ بڑا متاثر ہوتا دکھائی دیا تھا۔ جیسے ماہ رو سے ایسی ہی کسی جواب کی توقع رکھتا تھا۔

"اچھا... تو اب رقیبوں کا مقابلہ کرو گی؟ پھر بھی ویسا بن نہیں سکو گی۔" اس نے پھر سے ماہ رو کو کلسانا چاہا۔

"میں ویسا بننا بھی نہیں چاہتی میری الگ پہچان ہے۔" ماہ رو نے خاصے ضبط کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ صبح صبح لڑائی کا موڈ نہیں رکھتی تھی۔

"پہچان تو بہت ہے۔ ابھی خاندان کی کسی شادی میں چلی جاؤ... لوگ انگلیاں اٹھا اٹھا کر اشارے کریں گے۔ ارے یہ وہی تھی... عون کی محبوبہ۔ اس کی عاشق۔" عون کے لہجے میں تلخی بھرتی چلی گئی تھی۔ ماہ رو کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"میری طرح کے لوگ بھی کوئی کوئی ہوتے ہیں۔" اس نے بکھرتے اعتماد کو بمشکل بحال کرتے ہوئے کہا۔ عون کے لبوں پہ طنزیہ ہنسی پھیل گئی تھی۔

"یہ تو بالکل ٹھیک کہا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ تم اپنی طرز کا پہلا اور آخری پیس ہو۔"

"اور تمہاری قسمت اچھی تھی جو تمہارے نصیب میں آ گئی۔" ماہ رو نے بڑے ہی انداز میں جتایا تھا۔ جیسے وہ عون کو نہ ملتی تو بے چارے کی زندگی میں بہت بڑا خلا رہ جاتا۔

"بڑی خوش فہمی ہے تمہیں اپنے بارے میں۔" عون مصنوعی قسم کا متاثر ہوا تھا۔

"بالکل ٹھیک فہمی ہے۔ اسے خود آگاہی کہتے ہیں۔" ماہ رو نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

"بائی دا وے 'اس تردد کی کیا ضرورت تھی؟" اس کا اشارہ ٹرے کی طرف تھا۔ ماہ رو نے کندھے اچکائے۔

"یہ میرا فرض تھا۔"

"بڑی جلدی فرائض یاد آ گئے؟" عون نے ناک بھوں چڑھا کے ٹرے کا جائزہ لیا تھا۔ گرما گرم چنے 'گول' 'خستہ' ململ دار پراٹھے 'چیز آملیٹ'... لگتا نہیں تھا کسی کے اناڑی ہاتھوں کی محنت ہے۔ ادھر وہ ٹرے کا پوسٹ مارٹم کر رہا تھا۔ ادھر ماہ رو نے بڑے ہی انداز میں سوچتے ہوئے کرارا کاٹ دار طنز کیا۔ یوں کہ پہلی مرتبہ ماہ رو کو لگا تھا عون لاجواب ہو گیا ہے۔ اس نے خاصے جارحانہ لہجے میں کہا۔

"اور تمہیں حقوق اب بھی یاد نہ آئے۔" تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ بات کر لینے کے بعد اسے خیال گزرا کہ اس نے کون سی بات کہہ دی ہے۔ کیونکہ عون نے ایسے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا تھا جیسے ماہ رو سے ایسی برجستگی کی توقع نہ ہو۔ اب وہ یہاں سے بھاگنے کے پر تول رہی تھی۔ جوں ہی الٹے قدموں اس نے پلٹنا چاہا تھا پیچھے سے عون کی آواز آئی۔

"بائی دا وے 'میں تمہاری اس کاوش کو رائیگاں نہیں کروں گا۔ ناشتا بہت اچھا ہے لیکن تمہارے ہاتھ کا نہیں۔ اگر اٹھا کر میرے تک لانے کا کریڈٹ لینا چاہتی ہو تو بخوشی لے سکتی ہو۔" عون لمحہ بھر کے لیے طنز کرتے کرتے رکا۔

"اور یہ بھی کہ جب ثنا تمہاری ڈھیٹ نیند کو توڑنے کے لیے ٹھنڈا پانی ڈال رہی تھی۔ اور تم اسپرنگ کی طرح اچھل کر اس کے ساتھ چلی گئی تھیں میں تب ہی سمجھ گیا تھا تم کسی سازش کے لیے جا رہی ہو۔ کیونکہ سازشوں میں واقعی ہی تمہاری ٹکر کا دوسرا کوئی نہیں۔" اس نے حقوق اور فرائض والی بات کو گول کر کے ماہ رو پہ چڑھائی کر دی تھی۔

اور ماہ رو پہ جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ وہ خوامخواہ دروازے پہ غصہ اتارتی زوردار دھماکے سے بند کرتی باہر نکلتے ہوئے زیر لب بڑبڑائی تھی۔

"چالاک نہ ہو تو۔"

اور جب فریحہ ناشتا بنا کے راہداری تک پہنچی اور اپنے مخصوص لہجے میں۔

"عون 'عاشر' یاسر ناشتا کر لو۔" کہا تو داخلی دروازے سے آفس کے لیے باہر نکلتا عون ٹھٹک کر رک گیا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر پلٹ آیا تھا۔ اخلاق کا تقاضا تھا کہ فریحہ کو بتا کر جاتا۔ آج اس نے ذرا ٹائم سے پہلے ہی ناشتا کر لیا تھا کیونکہ آج اس نے تھوڑا جلدی آفس پہنچنا تھا۔

اور یہ تو نجانے ماہ رو کو کیا خیال آیا تھا جو ثنا سے ناشتا بنوا لائی تھی ورنہ وہ آج شاید بھوکا ہی آفس جاتا۔

کیونکہ فریحہ تو اپنے ٹائم پہ ناشتے کے لیے آتی تھی۔ اور اسے اندازہ ہوتا تھا کس نے کس وقت پہ جانا ہوتا ہے۔ عون کو لش پش دیکھ کر فریحہ حیران ہو گئی۔

"تم جلدی جا رہے ہو؟ وہ بھی ناشتا کیے بغیر؟" اس کا تفکر قابل دید تھا۔ اور جو ماہ رو بھاگم بھاگ عون کو خدا حافظ کہنے کے لیے پورچ تک جانا چاہتی تھی ان کی گفتگو سننے کے لیے رک گئی تھی۔ تھوڑا اوٹ میں ہو کر اس نے کان لگا لیے تھے۔

"میں ناشتا کر چکا ہوں۔" عون نے مسکرا کر بتایا تھا۔

"اس کمینی کے لیے عون کے پاس ہنسی کا پورا خزانہ محفوظ تھا۔" ماہ رو کو بے پناہ جلن ہوئی تھی۔

"میرے لیے تو موتا بھی نہیں مسکراتا۔"

"کس نے کرایا؟" فریحہ کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ دھچکا بھی بڑا شدید قسم کا تھا۔

وہ ماہ رو کا نام لیتے لیتے لمحہ بھر کے لیے رک گیا تھا۔ وہ بھی دل ہی دل میں خوش ہوئی تھی ابھی وہ اس کا نام لے گا اور فریحہ جل بھن کے کوئلہ ہو جائے گی۔ پھر خود بخود عقل مند ہوئی تو ہٹ جائے گی۔

"ثنا نے بنا دیا تھا۔" عون کے بتانے پہ فریحہ نے لمحہ بھر کے لیے بھنویں سکیڑیں تھیں پھر ذرا سا مطمئن ہو کر مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے، لیکن شام کو جلدی آجانا۔ باہر سے کچھ مت کھانا۔ میں اچاری بریانی بناؤں گی۔" عون کو یاد دہانی کروا کے وہ مسکراتی ہوئی داخلی دروازے تک اسے چھوڑنے کے لیے چلی گئی تھی۔ جبکہ ماہ رو وہیں اوٹ میں لمحہ بھر کے لیے فریز ہو گئی۔ اسے رہ رہ کر عون کے الفاظ پہ تاؤ چڑھ رہا تھا۔

"ثنا نے بنا دیا تھا۔" وہ عون کے لہجے کی نقل اتارتی شدید غصے کا شکار تھی۔

"میرا نام لیتے ہوئے موت آتی تھی یا پھر مہارانی کی ناراضی کا خدشہ ہو گا۔ مر مرا کے تو صلح ہوئی تھی۔ سوچتا ہو گا۔ شہزادی صاحبہ پھر نہ ناراض ہو جائے۔ فریحہ تو سوگ میں ہی بہتر تھی۔ سوگ سے نکل کر مجھے سوگوار کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑاتی تن فن کرتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

شام تک ماہ رو کا صبح والا غصہ اتر چکا تھا۔

وہ ایک لمبی، میٹھی اور پر سکون نیند لے کر اٹھی اور ٹھنڈے پانی سے باتھ لے کر فریش ہو گئی تھی۔ معا" ماہم کی فون کال آگئی تھی۔ وہ اسے ہرجائی، بے وفا اور نجانے کیا کیا القاب دیتی گالیوں سے نواز رہی تھی۔ ماہم کو غصہ تھا اس نے ایک کال تک کرنا گوارا نہیں کی تھی۔ اب وہ ماہم کو کیا بتاتی؟ وہ عون کے پیار میں گم شدہ ہرگز نہیں تھی بلکہ عون کو فریحہ کے چنگل سے آزاد کروانے میں ڈیڈی تک سے لاپروا ہو چکی تھی۔

ماہم کو اندرونی صورت حال سے آگاہ کیے بغیر اس نے مصروفیات کا فضول سا رونا رو کر کچھ دیر مزید بات کرنے کے بعد فون بند کر دیا تھا۔ خدا حافظ کہنے سے پہلے اس نے یہ بھی کہا تھا اگر عون مان گیا تو وہ آج ہی چکر لگائے گی۔ اب وہ وارڈ روب کھول کے ایک ایک

ڈریس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے بڑے خوب صورت شیفون کے امبرائیڈڈ سوٹ بھی لٹک رہے تھے۔ کچھ سوچ کر اس نے ڈارک بلیو کلر کا سوٹ نکال لیا تھا۔

اور پھر شادی کے بعد پہلی مرتبہ وہ بھرپور انداز میں تیار ہوئی تھی۔

بہت دفعہ عون کی امی کے کہنے پہ بھی وہ افسردہ سا جواب دے دیتی۔

"کیا فائدہ امی! جب کسی نے دیکھنا ہی نہیں۔" تب امی اسے ڈپٹ کر خفگی سے کہتیں۔

"عون تو دیکھے گا۔ کسی اور کو دکھانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔" وہ شاید سمجھی نہیں تھیں۔ اسی لیے سادگی سے بولیں۔ اب ماہ رو کیا وضاحت دیتی کہ عون ہی نے تو دیکھنا نہیں تھا۔ بلکہ ہو سکتا عین گمان تھا۔ طنز کے تیر چلانے لگتا۔

"بن سنور کر کسے دکھانا چاہتی ہو؟ مجھ سے امید مت رکھنا۔ فضول میں جھوٹی تعریفیں نہیں کر سکتا۔"

عون سے ایسے الفاظ کی توقع تھی۔ پھر وہ کیوں اتنا تردد کرتی۔ گھر میں کرتے ٹائٹس پہنتی تھی۔ گلے میں اسٹول وغیرہ لٹکالیتی۔۔۔ جو اکثر کندھوں سے پھسلتا ہوا زمین کو سلامی دے رہا ہوتا تھا۔

عون کو اس کی ہر قسم کی ڈریسنگ پہ اعتراض رہتا تھا۔ وہ اس کے کسی بھی لباس کو شریفانہ لباس نہ سمجھتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ امی کے سامنے تو کہتا نہیں تھا اور نہ آج کل ابو کے سامنے ماہ رو سے جھگڑا کر رہا تھا۔ نہ اسے برا بھلا کہتا تھا۔ نہ دوبارہ طلاق لینے پہ مجبور کیا تھا۔ اور نہ ہی طلاق دینے کی دھمکی دی تھی۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہ سدھر گیا تھا۔ یا اس نے ماہ رو کو ذہنی طور پر قبول کر لیا تھا۔ یا وہ اپنی توہین اور ذلت کو بھول چکا تھا۔ نہ ہی اسے کمپرومائز کرنے کا سلیقہ آ گیا تھا۔

ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ اسے ایک ایک بات یاد تھی۔ نہ وہ بھول سکتا تھا اور نہ ہی بھلا سکتا تھا۔ وہ محض وقت کی کروٹ کے انتظار میں تھا۔

اس دن ماہ رو نے اچانک عون اور فریحہ کی باتیں سن لی تھیں۔ تب وہ ایک قطار میں رکھے گملوں سے گیند کے پھول توڑ کر اندر آ رہی تھی جب عون اور فریحہ برآمدے میں بیٹھے دکھائی دیے تھے۔

ماہ رو بھی دبے قدموں چلتی ہوئی برآمدے کے پلر کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر اس نے ترچھی نظر سے ذرا آگے ہو کر دیکھا۔ فریحہ اپنی ذہین نظروں کو عون پہ جما کے بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں عون کی شرٹ تھی جس کے بٹن ٹانک رہی تھی۔ اور عون شاید شرٹ لینے کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ پھر وہ عون سے اچانک مخاطب ہوئی تھی۔

"تم نے کیا سوچا ہے عون!" جانے وہ کس سوچ کے متعلق بات کر رہی تھی۔ ماہ رو کو کھدبد ہوئی۔ عون نے بھی اس کا سوال سمجھ لیا تھا اسی لیے کچھ سوچ کر بولا۔

"میں تمہیں بتا تو چکا ہوں۔ تھوڑے انتظار کے بعد دیکھنا میں کرتا کیا ہوں۔" اس کے ارادے خاصے خطرناک لگتے تھے۔ ماہ رو کا دل ذرا سہم گیا۔

"اور جو میرا تماشا لگایا گیا؟" فریحہ کی آنکھیں سرخ ہو کر بہنے لگیں۔ ذہین آنکھوں کو رام کرنے کے سارے گر آتے تھے۔

"میں تمہارا ایک ایک بدلہ لوں گا۔ اتنی آسانی سے معاف نہیں کروں گا۔" عون کا لہجہ پتھریلا ہو گیا۔

"لیکن میں اس کی صورت تک نہیں دیکھ سکتی۔ یہ میرے لیے بہت بڑی سزا ہے۔" فریحہ شدت غم سے چیخ کر بولی۔

"میرا وعدہ رہا۔۔۔ دو دن بعد تمہیں اس کی صورت دکھائی نہیں دے گی اور تم جانتی ہو میں بات کا کتنا پکا ہوں۔" عون کے اگلے الفاظ نے ماہ رو کو چکرا دینے پہ مجبور کر دیا تھا۔ وہ پلر کا سہارا نہ لیتی تو اچانک گر پڑتی۔

(آخری قسط آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆